رجسٹرڈ نمبر ۱۱۰۴ — جلد ۱۱ شمارہ ۵

نگار

لکھنؤ سے ہر ماہ کی پندرہ کو شایع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ ہندوستان میں پانچ روپیہ۔ ہندوستان سے باہر سات روپیہ

فہرست مضامین مئی ۱۹۲۷ء

ملاحظات		۲	امید (نظم)	ثاقب کانپوری	۸۳
غالب کا ذوق فارسی	غلام ربانی عزیز	۵	حریم روح (نظم)	آئین حزین	"
دین مسیحی یا آفتاب پرستی	مولوی خلیل الرحمان	۱۲	حسیات (نظم)	نظیر لودھیانوی	۸۴
علم فراست الید		۲۴	رازِ ہستی (نظم)	محمود اسرائیلی	"
سرخ گلاب (فسانہ)	فراق گورکھپوری	۳۲	رات گنگا کے کنارے (نظم)	حامد اللہ افسر	"
ہمایوں شہنشاہ ہندوستاں	سید عبد السبحان ناظر	۳۷	رباعیات	حضرت آسی	۸۵
قربانیاں (فسانہ)	عباس علی حسینی	۴۶	غزلیات:-	فرخ بنارسی	"
قسطاس مستقیم	عزت علی ایزدی	۵۵	"	باسط بھوپالی۔ محمد مظہر شوق۔ مہدی اجناوی۔ اثر	۸۶
ابن یمین کے گمشدہ نایاب دیوان کی دستیابی	آر گس	۶۱	استفسارات		۸۷
لارڈ رپن کا عہد حکومت	ض۔ا۔ب	۷۶	معلومات		۹۲ - ۹۶

نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپا

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر۔ نیاز فتحپوری

جلد ۱۱	مئی سنہ ۱۹۲۷ء	شمارہ ۵

ملاحظات

جرائد و رسائل کی سنت دیرینہ ہے کہ ہر ماہ اپنی سعی و کاوش کا ذکر کرتے ہوئے، ملک سے توسیع اشاعت کے لئے ایک دردناک اپیل بھی کیا کرتے ہیں میں نہیں کہتا کہ ادارۂ نگار کی طرف سے اس باب میں ہمیشہ اسی خودداری وضبط نفس کا اظہار رہا ہے جسے میں نگار کی خصوصیت خاصہ دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، کہ اس نے اسوقت تک اس لجاجت و تضرع، اس گدایانہ التماس و ابتہال سے کبھی کام نہیں لیا، جو ممکن ہے اوروں کے لئے "باعث فخر" ہو، مگر میرے لئے یقیناً ننگ و عار ہے۔

لکھنؤ آنے کے بعد یہ چوتھا نمبر نگار کا شایع ہو رہا ہے اور یہ زمانہ شاید کافی ثابت ہوتا، اگر میں اس دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اطمینان کی سانس لے سکتا۔ لیکن باوجود اس کے کہ پریشانیاں کثیر ہیں اور افکار کا ہجوم مغلوب کن، بیسکن اس خیال سے کہ مبادا میرے سکوت کی کوئی غلط تعبیر کی جائے، بغیر اس فرصت کا انتظار کئے ہوئے جب میں تفصیل و تشریح

سے کام لے سکوں گا، اس قدر عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ :-

دگر مگو کہ چو من در جہاں ہزار انند

سلسلۂ استفسارات میں حضرت عیسیٰ کے مسئلہ کو میں نے اس مہینے میں اس لئے ملتوی کر دیا ہے کہ لوگ ایک ہی بحث سے گھبرا نہ جائیں اور علاوہ اس کے جن حضرات کے استفسار پڑے ہوئے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں۔ اس مہینے کا استفسار خاص اہمیت رکھتا ہے اور یقین ہے کہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا، ارادہ ہے کہ آئندہ مہینے میں تمام اہم استفسارات کا جواب دیکر اس بار سے سبکدوش ہو جاؤں اگر خدا فرصت و اطمینان نصیب کرے۔

اس ماہ کے مضامین میں "سرخ گلاب" ایک فسانہ ہے جس کے متعلق جناب فراق گورکھپوری نے لکھا ہے کہ بنگلہ زبان سے اُنھوں نے ترجمہ کیا ہے اور جس کو وہ بنگالی زبان کا شاہکار سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ترجمہ و اقتباس ہے آسکر وائلڈ کے فسانہ "گل و بلبل" کا اس میں شک نہیں کہ فسانہ جذبات کے لحاظ سے نہایت بلند ہے اور اسلوب بیان کا بہترین نمونہ۔ دوسرا افسانہ "قربانیاں" اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ اس میں ہماری بعض معاشرتی نقایص کو نہایت خوبی سے دکھایا گیا ہے قابل داد ہے، افسانہ نگار کا قلم بہت الم پسند" واقع ہوا ہے اور افسانہ کے اندر ایسے مواقع پر اس نے نہایت موثر تصریحات و جزئیات سے کام لیا ہے

مضمون دین مسیحی اس مہینے میں ختم ہوتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ کے مسئلہ ولادت و وفات کو پیش نظر رکھ کر پورے مضمون کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سے پوشیدہ راز بے نقاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن جن نگاہوں پر اعجوبہ پرستی کے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کا اس طرف توجہ کرنا معلوم۔ ہم مولوی خلیل الرحمن صاحب کے بہت ممنون ہیں کہ انھوں نے ایسا بیش بہا مضمون نگار کو لطف فرمایا۔

فراست الید کا مضمون بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے آئندہ مہینے سے ہات کی لکیروں کا ذکر کیا جائیگا کہ اصل چیز وہی ہے۔ یقین ہے کہ یہ سلسلہ سال کے اندر ختم ہو کر ایک رسالہ کی صورت اختیار کر سکیگا۔

غالب کے ذوق فارسی کے متعلق جناب آ عزیز نے مضمون بھیجکر ایک ایسی بحث کا افتتاح کیا ہے جو عرصہ سے میرے پیش نظر تھا۔ یہ مضمون آئندہ ماہ میں ختم ہو جائیگا اور اس کے بعد میں خود زیادہ تفصیل کے ساتھ غالب کے اس ذوق کے متعلق لکھونگا۔

دنیا بھر میں کون کارخانہ زیادہ مشہور ہے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

اس مہینے کے مضامین میں حافظ اور ابن یمین کے متعلق جو مقالہ درج ہوا ہے خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کے قابل ہے۔ میں بہت ممنون ہونگا اگر کوئی صاحب اس مسئلہ پر موافقت یا مخالفت میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔

قسطاس مستقیم کو بھی میں نے بہت سے محذوفات کے بعد اس مہینے میں ختم کرہی دیا، ہر چند مضمون نگار نے اسے بہت محنت سے مرتب کیا تھا، لیکن تنقید صحیح کے حدود سے پھر بھی دور تھا۔

انشاء اللہ خاں کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ فارسی زبان میں لطایف السعادت کے نام سے مجھے دستیاب ہوا ہے جسمیں انھوں نے نواب سعادت علی خاں کی فرمائش سے لکھنؤ اور دہلی کی زبان پر گفتگو کرکے ان کا باہمی فرق دکھایا ہے۔ گو رسالہ مختصر اور ناکافی ہے لیکن اس کی یہ خصوصیت کہ انشاء نے اسے لکھا اور اسوقت تک کہیں شائع نہیں ہوا ضرور قابل لحاظ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسکو ایڈٹ کرکے ملک کے سامنے پیش کردوں۔ اس لئے التماس ہے کہ اگر کسی اور صاحب کے پاس اس کا نسخہ موجود ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ میں خود اسے آکر دیکھ لوں اور مقابلہ کرکے صحت کرلوں۔

آئندہ مہینوں میں جو مخصوص مضامین شایع ہونے والے ہیں، ان میں سے ایک طنزیات (Satire) پر ہے۔ اس مضمون میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اردو زبان کے طعن تشنیع، بولی ٹھولی، جلی کٹی، پھبتی، ضلع جگت، آوازہ، تضحیک، تمسخر اور لطایف وظرایف وغیرہ پر ناقدانہ بحث کی گئی ہے اور شعراء، اساتذہ، مصنفین ومولفین، و دیگر ماہرین فن کے واقعات مع شگفتہ مثالوں کے بیان کئے گئے ہیں۔ اردو میں اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو آئندہ مہینے سے شایع ہونا شروع ہوگا۔

دوسرا مضمون مرزا رجب علی بیگ سرور کی مشہور کتاب فسانۂ عجایب سے متعلق ہے، جس میں یہ حیرت انگیز انکشاف نظر آئے گا کہ سرور کا یہ کارنامہ حقیقتاً ان کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ اس کا سررشتہ جس ہات میں تھا وہ کوئی اور تھا۔

بعض ایسے دلچسپ تاریخی فسانے بھی شایع کئے جائیں گے جن کی طرف تاریخ نے توجہ نہیں کی اور اب تک وہ پردۂ خفا میں تھے۔

بعض مضامین انشائے لطیف اور تنقید عالیہ کے بھی پیش کئے جائیں گے۔

نیاز فتحپوری

عطر حنا صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

غالب کا ذوقِ فارسی

فارسی بیں تا بدانی کاندر اقلیم خیال
مانی و ارژنگم و آں نسخہ ارتنگِ من است (غالب)

مرزا کی اردو شاعری جس طرح محلِ نزاع رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی فارسی شاعری کے باب میں یہ ہنگامے بپا نہیں ہوئے دنیائے صحافت میں مرزا کی اردو شاعری کے متعلق وقتاً فوقتاً جو معرکے ہوتے رہے، اور آخر دونوں جماعتوں سے نہ کوئی ہارا نہ کوئی جیتا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہر ایک اپنے مفید مطلب اشعار ڈھونڈھ لاتا تھا۔ اور فریقِ مخالف کے اعتراض پر ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھنڈے دل سے غور نہ کیا جاتا تھا۔ ورنہ اگر ہر دو فریق متانت اور سنجیدگی سے اصل مبحث پر طبع آزمائی کرتے اور اس اصول پر کاربند رہتے، کہ ہر انسان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں، اور نقائص بھی، تو مرزا کی چند خوبیاں مان لینے اور چند نقائص تسلیم کر لینے کے بعد بحث میں محاکمہ کی شان پیدا ہو جاتی اور یہ تمام شور و شغب بے فائدہ نہ ٹھہرتا۔ مگر مناظرہ نے مکابرہ کی صورت اختیار کر لی اور دونوں فریق اس قدر قطعِ مسافت کے بعد بھی وہیں دیکھے گئے۔ جہاں سے چلے تھے۔

میرا یہ خیال تھا کہ اس ناروا داری اور جانب داری کا شاید اب خاتمہ ہو چکا ہوگا اور اس قسم کے یکطرفہ دلائل و براہین کے مظاہرے اب دیکھنے میں نہ آئیں گے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ناجائز تعصب اور بلاوجہ ناروا داری کے مناظر سے دنیائے ادب کو ابھی کچھ اور رنج اندوز ہونا ہے۔ نومبر کے الناظر (لکھنؤ) میں جناب آمیر بدایونی صاحب کا ایک "انعامی مضمون" بہترین غزل گو کے عنوان سے دیکھا گیا۔ اس میں وہ تمام باتیں موجود تھیں۔ جو اس بحث پر اس سے پہلے مختلف اشخاص فرداً فرداً لکھ چکے ہیں۔ یک طرفہ دلائل اسقدر نحیف اور رکیک ہیں کہ ایسے انشاپرداز سے اتنی ناانصافی کی کسی حالت میں بھی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ چونکہ میرا موضوعِ سخن یہ نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق کوئی آئندہ صحبت میں کچھ ضروری اور مناسب باتیں گوشگزار کی جائیں گی۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہندوستان کا یہ عظیم الشان شاعر دوست و دشمن کے ہاں فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر مانا جاتا ہے لیکن موافق فریق بھی مرزا کی شاعری سے اتنا ہی ناواقف ہے۔ جتنا کہ مخالف فریق۔ آخر الذکر جماعت تو محض اس لئے مرزا کی شاعری سے ناواقف ہے کہ وہ اس کے کلام کو درخورِ اعتنا نہیں خیال کرتی لیکن پھر وہ اسے ایک بلند پایہ شاعر اس لئے تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایسا مان لینے کے بعد بھی ان کے مسلمات پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ بلکہ انھیں اپنے مفید مطلب ایک اور دلیل۔

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کا عطر حنا بہت مشہور ہے

ہاتھ آجاتی ہے، کہ چونکہ مرزا کا رجحانِ طبیعت ہمیشہ فارسی کی طرف رہا ہے اس لئے ان کے اردو اشعار میں بھی فارسی کی وہ جھلک پائی جاتی ہے، جس نے ان کے کلام کو ادق کردیا ہے اور اس لئے وہ ناقابلِ توجہ ہے

فریقِ موافق اسی کو اپنی بڑی کامیابی خیال کرتا ہے۔ کہ ان کا ممدوح کم از کم فارسی کا شاعر تو تسلیم کرلیا گیا ہے۔ چونکہ کوئی ضرورت داعی نہیں ہوتی۔ اس لئے مدت العمر مرزا کا فارسی کلام دیکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ اور پھر فارسی کی کساد بازاری نے اور بھی اس متاع کی قیمت کم کردی ہے۔

غرض موافق و مخالف دونوں تاریکی میں ہیں اور مرزا کے اس زبردست کارنامے کا بھی حقیقی معنوں میں کوئی قدردان نہیں گو یہ ضروری ہے۔ اور میں اس سے بالکل متفق ہوں، کہ ہم غیر ملکی زبانوں سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنی زبان کے ادبی ذخیروں کو وسیع کریں۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے کارناموں سے یکقلم دل برداشتہ ہوجائیں اور صرف اسی فقرے کو دُہرا دُہرا کر خوش ہوا کریں، کہ وہ ایک رفیع الشان انسان تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے ملک اور اہل ملک سے بددلی اور افسردگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور گو وہ زبان سے کہتا ہے کہ اس کا ملک بھی اس باب میں مفلس نہیں "لیکن غیر ملکی" دل اسکے قول کی تکذیب کرتا ہے اور اس کے دل میں ملکی بزرگوں کی حقیقی عزت باقی نہیں رہتی

جدید تعلیم یافتہ طبقہ سب سے زیادہ اس لاعلاج مرض کا شکار ہو رہا ہے اکثر تو کالجوں اور اسکولوں سے ایسے کور مذاق ہوکر نکلتے ہیں کہ انھیں لٹریچر اور علم ادب سے مس ہی نہیں ہوتا اور جو سلیم الفطرت ہوتے ہیں وہ اپنی تمام توجہ ورڈسورتھ، ملٹن۔ اور شیکسپیر وغیرہ پر مبذول رکھتے ہیں یا انگریزی کے اخلاق سوز اور عریاں ناول ان کے زیرِ مطالعہ رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کوئی حالی، شبلی، سرشار اور شرر نہیں پیدا ہوتا۔ اس جمود کی زیادہ تر ذمہ داری اس غفلت کے سر ہے، جو ملکی علم ادب سے برتی جارہی ہے مرزا کی تمام شاعری پر اس لاپروائی کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں گو اُن کے اردو کلام کی طرف جدید تعلیم یافتہ جماعت کی کسی قدر توجہ مبذول ہوئی ہے۔ لیکن مرزا کا فارسی کلام ابتک بالکل کس مپرسی کی حالت میں ہے۔

مرزا کی طبیعت کو فارسی سے فطری لگاؤ تھا۔ انھوں نے فارسی میں بہت کچھ لکھا۔ اس پر انھیں ناز تھا۔ اور بجا طور پر ناز تھا مرزا کے کلام کے باقاعدہ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ فارسی میں بھی انھوں نے بیدل کا تتبع کرنا شروع کیا تھا۔ مگر بہت جلد وہ اس طرز سے دست کش ہوگئے۔ ہم مرزا کو اس باب میں ملامت نہیں کر سکتے، اور نہ اسیر آمیں نکتہ چینی کا کوئی حق ہے مرزا کی دشوار پسند اور اجو بہ پرست فطرت یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس شاہراہ پر گام زن ہوتی جس پر ہر خاص و عام صبح آزمائی کر رہا ہے۔ اُنھوں نے اپنے لئے ایک ہی شاہراہ عمل تجویز کی۔ اور اپنی سلیم فطرت کی رہنمائی میں اسمیں جائز اور مناسب ترمیمیں کی۔ اور آخر اپنی خاص لے میں اس زور سے نغمے الاپے کہ کائناتِ عالم کا ہر ہر ذرہ رقصاں نظر آنے لگا اور اس صدائے پرکیف سے

ہر قسم کا عطر، تیل، خوردنی تمباکو صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے

زمین و آسمان گونج اُٹھے۔

ایسی حالت میں جب قدما کی تقلید ابنائے دہر کے رگ و پے میں ساری ہوچکی ہو۔ یہ مرزا ایسے زبردست انسان سے ہی ممکن تھا کہ وہ اپنے لئے ایک نیا میدانِ عمل تجویز کریں قدامت پسندوں نے بہت کچھ لے دے کی۔ اور اب بھی لکیر کے فقیر، مرزا کی اس جدت و ابداع کو غیر مستحسن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انھیں، لغوگو کہنے سے نہیں شرماتے۔ لیکن عنقریب اور زیادہ واضح ہوجائیگا کہ مرزا کے معترض کسقدر غلطی کا شکار رہے ہیں۔

فارسی میں شعر و سخن کے تمام اصناف میں مرزا نے طبع آزمائی کی ہے۔ متاخرین میں نظیری، عرفی، اور ظہوری غزل کے استاد مانے گئے ہیں۔ قصیدہ میں عرفی اور انوری کے پایہ کا کوئی شخص نہیں ہوا، رباعیات میں حکیم عمر خیام لاثانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ جامی، نظامی اور امیر خسرو کی مثنویاں بہت بلند پایہ خیال کی جاتی ہیں۔ لیکن کی گو اس خدائے سخن نے بھی ان اصناف شاعری میں جو کچھ کیا۔ وہ کسی سے کم نہیں کیا۔

نظیری، عرفی، خیام، نظامی، اور امیر خسرو وغیرہ کی شہرت اور شاعرانہ کمال زیادہ تر ان سرپرستوں کا شرمندۂ احسان ہے جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں ان لوگوں کی ہمت افزائی کی، اور ان کے جوہر طبع کو اور چمکا دیا۔ لیکن غالب کی شاعری نے بالکل مختلف اور ناموافق حالات میں نشو و نما پائی۔ وہ ہمیشہ گوناگوں مصائب اور حوادث میں مبتلا رہے۔ حکومت یا پبلک کی طرف سے کبھی ان کی قدر افزائی نہ ہوئی۔ مشاعروں میں نہ کوئی ان کی سنتا اور نہ سمجھتا، وجہ معاش کے ہاتھوں وہ آخری دم تک جاں بلب رہے حالات کی اس قدر ناسازگاری کے باوجود مرزا کی شاعری کا اس درجہ کمال تک پہونچنا اگر معجزہ نہیں تو معجزے سے کم بھی نہیں آج ہمارے ذوق پرست دوست، مرحوم بجنوری کے اس فقرے پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

"ہندوستان میں دو الہامی کتابیں ہیں، وید مقدس، اور دیوان غالب"

کیا ایسے ناموافق حالات میں ایسی کتاب کا لکھا جانا حیرت آفریں نہیں ہے؟ کیا اس کے یہی معنے نہیں، کہ مرزا کی تخلیق سے فطرت کا اقتضا ہی یہ تھا کہ وہ شاعر ہوں اور کیا ایسے فطری شاعر کے کلام کو الہام کہنا موزوں نہیں؟ اگر مرزا خانخاناں کے زمانے میں ہوتے، یا خانخاناں مرزا کے زمانے میں ہوتے اور قدر افزائی کا معیار بھی وہی ہوتا کہ ایک ایک شعر کہنے پر سونے اور موتیوں سے تولے جاتے۔ کوئی ہے جو اس امر کا اندازہ لگا سکے کہ مرزا کے مرغ تخیل کی پرواز کی کیا رفتار ہوتی؟ اور آج ہماری زبان میں علم و ادب کا اتنا بہترین ذخیرہ موجود ہوتا کہ اس وقت انسانی دماغ اس کا قیاس بھی نہیں کرسکتے۔

فارسی حکومت کی زبان تھی۔ اور یہ حکومت کی ہی نوازشیں تھیں، کہ نظیری اور عرفی جیسے بلند پایہ شاعر اس سرزمین کو نصیب ہوئے۔ ہر ملک اور ہر حکومت کا تمدن علیحدہ ہوا کرتا ہے۔ مغلوں کا تمدن اسوقت تک عروج پر رہا جب تک حکومت

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے جو چیز خلاف فرمائش پہونچے فوراً واپس کرکے اپنی پوری قیمت یا بدلے میں دوسری چیز منگا لیجئے محصولڈاک معاف

زوال آشنا نہ ہوئی۔ حکومت پر زوال آنا تھا کہ مغلیہ تہذیب و تمدن کا سورج فوراً غروب ہوگیا، تمدن اور شاعری کا دامن چولی کا ساتھ ہے جب مرزا کی شاعری کا آغاز ہوا تو بہادر شاہ انگریزوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے اور پھر جس محل میں ذوق کو ملک الشعراء اور خاقانی ہند کے خطابات مل چکے تھے، وہاں مرزا کی حقیقت ایک "لغو گو اور مہمل تراش" سے زیادہ ہو ہی کیا سکتی تھی۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد رہی سہی آس بھی جاتی رہی ایسے حالات میں مرزا سے ایسی بلند پایہ شاعری کسی حالت میں بھی الہام، سے کم نہیں ہوسکتی عرفی اور نظیری کی شاعری کو حسب قاعدہ روز افزوں تمدن کے ساتھ ساتھ بڑھنا چاہیئے تھا چنانچہ وہ بڑھی لیکن زوال پزیر تمدن کے ساتھ مرزا کی شاعری کو زوال آشنا ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کے برعکس وہ اس زمانے کی شاعری کا ایسا دلاویز و دلربا نمونہ چھوڑ گئے کہ عرفی اور نظیری کی شاعری بھی اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی

اگر کوئی بناوٹی یا مصنوعی شاعر ہوتا تو حالات کی ناسازگاری اور خصوصاً پبلک کی ناقدر شناسی سے دق ہوکر اس بیکار مشغلہ شاعری سے توبہ کر لیتا۔ لیکن مرزا چٹان کی طرح اپنے ارادوں پر جمے رہے وہ کسی چیز سے بھی بددل نہ ہوئے اور بددل ہوتے بھی کیسے جبکہ اُن کی تخلیق کا منشا ہی یہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بعد ایک ایسی زندہ جاوید یادگار چھوڑی کہ آج دنیا اسکو سرآنکھوں پر لیتی ہے

چونکہ مجھے مرزا کے فارسی کلام کے متعلق چند عنوان قائم کرکے تفصیلاً عرض کرنا ہے، اس لئے سردست میں مرزا کی مثنویات سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔

تمام اصناف شاعری سے مثنوی زیادہ وسیع اور زیادہ مفید خیال کی جاتی ہے، غزل اور قصیدہ کی نسبت اسمیں شاعرانہ پابندیاں بہت کم ہوتی ہیں اس کا ہر شعر علٰحدہ قافیہ اور علٰحدہ ردیف لئے ہوتا ہے اور ایک مضمون کو مسلسل اور واضح طور پر بیان کرنے کے بہت کچھ امکان ہوتے ہیں۔ جذبات و واردات قلب کا اظہار جیسا یہاں ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوسکتا چھوٹے چھوٹے واقعات اور معمولی معمولی حالات جو ایک واقعہ کی تمام کڑیوں کو ملا دیتے ہیں نہایت اچھی طرح نبھائے جاسکتے ہیں۔ غرض مثنوی شاعری کی ایک نہایت مفید نوع ہے۔

مرزا نے کم و بیش گیارہ مثنویاں لکھی ہیں لیکن تمام کی تمام نہایت ہی مختصر ہیں۔ فارسی میں مثنوی کی جو کثرت ہے اور پھر وہ جسقدر ضخیم ہیں اس لحاظ سے مرزا کی مثنویاں نہایت کم پایہ اور ناقابلِ اعتنا معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت بحث کا پہلو یہ ہے کہ ان میں لفظی و معنوی خوبیاں کسقدر پائی جاتی ہیں اور چونکہ مرزا کا کلام اس باب میں کبھی بھی مفلس نہیں ہوا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مفصل تبصرہ کیا جائے

مرزا کی ان مثنویات کے پڑھنے سے ہم اس امر کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ واقعہ نگاری اور معاملہ بندی میں انھیں

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگانا چاہیے

کسقدر کمال حاصل تھا کیونکہ ان کی کوئی مثنوی ایسی نہیں جسمیں کوئی واقعہ بیان کیا گیا ہو غالباً اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ مرزا کی تخئیل بہت ہی زبردست واقع ہوئی تھی وہ قدم قدم پر مرزا کے سمندِ قلم کو بے لگام کر دیتی ہوگی جس سے واقعات اور حالات کا تسلسل قائم نہ رہ سکتا ہوگا اور واقعہ کی شکل مسخ ہو جاتی ہوگی۔ اس لئے مرزا نے اس برے رونے سے نہ رونا ہی اچھا خیال کیا۔ لیکن اس سے مرزا کی شاعری پر حرف نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ فارسی کے سعدی نہیں تھے بلکہ حافظ تھے۔ ان کا عرش سیر تخئیل بھلا کب گوارا کر سکتا تھا۔ کہ واقعات نگاری کے چکر میں اپنی سرعتِ خیال اور بلند پروازی کو خیرباد کہہ بیٹھتے علاوہ ازیں مرزا کے ہاں لفظی و معنوی صنعتوں کا نہایت زبردست التزام ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ معاملہ نگاری کی صورت میں ان چیزوں کا التزام قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اور مرزا اس باب میں اتنے عالی واقع ہوئے تھے کہ وہ لفظی و معنوی صنعتوں کے اسی التزام کو روحِ شاعری کہا کرتے تھے۔

مرزا نے ان مثنویات میں بھی خوب جدت اور اختراع سے کام لیا ہے چنانچہ بعض مثنویات کے نام بھی انھوں نے نہایت عجیب اور جیست رکھے ہیں۔ مثنوی معنوی کے پہلے شعر پر جو مثنوی لکھی گئی ہے۔ اس کا نام سرمۂ بینش تجویز کیا ہے اسی طرح بعض کے درد و داغ، چراغِ دیر، اور ابر گہربار وغیرہ نام ہیں۔ کلکتہ کا وہ ہنگامہ جس کو مرزا کی زندگی کے حالات میں خاص خصوصیت حاصل ہے۔ مدعیانِ علم کے نام جو مثنوی کہہ کر روانہ کی تھی اس کا نام مرزا نے بادِ مخالف تجویز کیا ہے۔ ہر چند لوگوں نے بادِ مخالف کو بہت مکروہ معنی پہنائے، اور احباب نے مشورہ بھی دیا کہ اس کا نام بدل ڈالئے۔ مگر مرزا تھے کہ باقاعدہ اپنی بات پر اڑے رہے اور نام بدلنے کا خیال تک بھی نہ آیا۔

گو اس وقت مجھے صرف مرزا کے شاعرانہ کمال سے بحث کرنی ہے۔ لیکن اس ضمن میں اگر میں چند اور ضروری امور کی طرف بھی آپ کی توجہ کو منعطف کروں، تو مجھے معذور خیال فرمایا جائے۔

شیدایانِ مرزا میں یہ اختلاف چلا آتا ہے۔ کہ مرزا سنی تھے یا شیعہ، مولانا حالی نے ان کو مائل بہ تشیع اور فضیلتِ علیؑ کا قائل ظاہر کیا ہے مگر بعض میرے شیعہ دوست مرزا کو شیعی المذہب بیان کرتے ہیں۔ ابھی ابھی چند دن ہوئے، کسی صاحب نے مرزا کو شیعہ قرار دیا تھا اور اسپر چند ایک دلائل بھی پیش کی تھیں۔ بعد میں کسی صاحب نے جواب بھی لکھا، اور مرزا کے خطوط بطور استشہاد پیش کئے کہ مرزا سنی المذہب تھے۔ لیکن میرے خیال میں ان ہر دو حضرات سے کسی کی نظر بھی مرزا کی مثنویات پر نہ تھی۔ ورنہ لکھنے والے کو لکھنے کی دقت اٹھانی پڑتی

مرزا کی مثنویات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنی المذہب تھے۔ اور انھیں اہل سنت سے کمال محبت تھی۔ اور غالباً مولینا حالی نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ مرزا فضیلت علی علیہ السلام کے قائل تھے۔ مرزا استمداد بالاولیاء کے بھی قائل ہیں۔

ہر قسم کا عطر و تیل صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

چنانچہ اسپر اُنھوں نے نہایت شد و مد سے بحث کی ہے ہمیں کسی کے عقائد پر نکتہ چینی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن اگر مرزا کی دلائل کو درست تسلیم کر لیا جائے تو وہی دلائل اسوقت اور زور سے ایک بت پرست کے مفید مطلب ہو سکتی ہیں جس طرح ایک مومنِ موحد کی اس میں شک نہیں کہ مرزا جیسے فلسفی شاعر کی نیت اور طریقۂ استمداد ضرور ایک عامی اور جاہل کی نیت اور طریقہ سے مختلف ہوگا۔ لیکن اکبر اعظم کے سجدۂ تعظیم کے اسوقت یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو اسوقت استمداد بالقبور والاولیار کو قرار جائز دینے والے حضرات مراد لیتے ہیں۔

مرزا نبوت اور ولایت کو الوہیت کا پرتو خیال کرتے ہیں۔ اور استمداد بالاولیار کو حقیقتاً استمداد باللہ ہی خیال فرماتے ہیں اور یہی وہ عقیدہ ہے جس سے ہمہ اوست، کا مشہور عالم مذہب پیدا ہو گیا ہے۔

اول ماخلق اللہ نوری کی تفسیر یوں بیان فرماکر۔

جلوۂ اول کہ حق بر خویش کرد ٭ مشعل از نورِ محمد پیش کرد ٭

فرماتے ہیں۔کہ محمد رسول اللہ کے نور سے عالمِ کائنات میں، تمام چیزیں جلوہ گر ہوگئیں۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب سورج نمودار ہوتا ہے تو بے انتہا ذرات جو اس سے پہلے بھی اس عالم میں موجود ہوتے ہیں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

پھر وہی نورِ الوہیت انبیار کی رساطت سے اولیار میں

تجلی ریز ہوتا ہے۔ جیسے سورج کی روشنی سے چاند اکتسابِ نور کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح نبی سے ولی اکتسابِ کمال کرتا ہے۔ بنابرین نبیؐ یا ولی سے استمداد کرنا ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ گو یہ درست ہے کہ بغیر بادشاہ کی اجازت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن خاصانِ شاہ کو اپنے خاص تعلقات کی بنا پر یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ کہ بالواسطہ وہ اس کام کے فاعل کہے جائیں۔ چنانچہ دریا سے گلاس میں پانی پینا دریا ہی کا پانی پینا ہے۔ لیکن جام کی وساطت سے انسان اپنی پیاس بجھانے میں بہت اچھی طرح کامیاب رہتا ہے

شد عیان زان نور در بزمِ ظہور ٭ ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دور
ہمچو آن ذرات کاندر تاب مہر ٭ از نقابِ غیب بنمایند چہر
مہر بر ذرات پرتو افگن است ٭ عالم از تابِ یک اختر روشن است
ہر ولی پرتو پذیر است از ولی ٭ چوں مہ از خور مستنیر است از نبی
از ولی و از نبی خواہی مدد ٭ تا نہ پنداری کہ ناجائز بود ٭
بر نیاید کار بے فرمانِ شاہ ٭ لیک آئینہ ست باخاصانِ شاہ

ہر قسم کا عطر کارخانۂ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

ہر کہ ادرا نورِ حق نیرو فزا ست   ہر چہ از وے خواستی ہم از خدا ست
بر لبِ دریا گر آبے خوردہ ٔ   آب از موجے بجام آوردہ ٔ
آب از موج آمد اندر جام تو   لیک از دریا بود آشامِ تو

اس کے بعد یہ لکھتے ہیں "کہ اگر کوئی کسی صاحب کے وقت یا محمد، یا علی، یا معین الدینؒ، یا عبدالعزیزؒ، رفیع الدین، کلیم اللہ، یا فخرالدین کہہ دے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پیروں اور اولیاء اللہ سے استمداد کر رہا ہے بلکہ فی الحقیقت وہ خدا سے مدد طلب کر رہا ہے۔ لیکن ان برگزیدگان کردگار کو اس کے دربار میں بطور شفیع پیش کر رہا ہے"

تا نہ پنداری ز پیران خواستیم   حاجتِ خود را ز یزداں خواستیم
لیک در پوزش بدرگاہِ رفیع   ماہمے آریم پیراں را شفیع

پھر مثال کے طور پر فرماتے ہیں "کہ مصر سے یوسف علیہ السلام کے پیراہن سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں پھر منور ہو جاتی ہیں، مجنون سگِ کوئے لیلیٰ کے پاؤں چوما کرتا تھا۔ کیا تم اس وساطت سے انکار کر سکتے ہو؟"

بوئے پیراہن ز مصر آرد صبا   دیدہ ٔ یعقوب ز و یابد جلا
در عرب بود ست منعم زادہ ٔ   قیس نامی دل بہ لیلے دادہ ٔ
بر سگے کز کوچہ ٔ لیلی ستے   قیس از خویشش فرد نستر خواستے
مے توانی گفت ہاں ای تن پرست   پیر کنعاں بود پیراہن پرست
یا تواں گفتن کہ خود چوں بودہ است   سگ پرستی کیشِ مجنوں بودہ است
عشق گرہ باپیرہن در بار ماست   نیست بہر جامہ از بہر خدا ست

آگے چلکر لکھتے ہیں۔ "کہ انبیاء اور اولیاء کی مثال اس طرح ہے جیسے محمل۔ اور جلوہ ٔ حق، لیلیِ پردہ نشین کو اب گو مجنوں کو محمل سے کوئی سروکار نہیں لیکن یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ محمل کو بالکل بے کار خیال کیا جائے"

حق پرستاں را بہ باطل کار نیست   محوِ لیلے را بہ محمل کار نیست
گر نہ از لیلے بود دیدار جوئے   کے بہ محمل آورد دیوانہ روئے
گرچہ با لیلے است حرف از جان زدن   لیک بر محمل لکد نتواں زدن
آن نے دریا دحق مستغرق ست   عین حق گر نیست خود محو حق است

مرزا کی اس مثنوی سے اس امر کا پتہ بھی چلتا ہے۔ کہ ان دونوں علماء میں مذہبی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادیؒ

صرف علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہمیشہ عطر خریدنا چاہئے۔

مشہور فلسفی بہ قیدِ حیات تھے۔ اور غالباً مولانا محمد قاسم مرحوم نانوتوی سے امکان و امتناعِ نظیر پہ ہنگامۂ کارزار گرم تھا۔ مولینا فضلِ حق مرحوم امتناعِ نظیر کے قائل تھے۔ مرزا سے ان کے نہایت خوشگوار تعلقات تھے اس بنا پر اُن سے فرمایش کی۔ کہ وہ اس باب میں اپنے خیالات نظم کریں۔ مولانا مرزا کی پروازِ تخیل سے واقف تھے ان کا خیال تھا کہ جو کچھ ان کے قلم سے نکل جائیگا وہ علاوہ دلائل و براہین کی قوت کے اسلوبِ بیان، اور خاص طرزِ ادا کے باعث بہت ہی دلچسپ اور دلفریب ہوگا اور پھر جب اسے شعر کا لباس پہنایا جائیگا تو اور زیادہ جاذبِ توجہ ثابت ہوگا۔ حسبِ فرمائش مرزا نے اس خیال کو نظم کیا۔ گو مرزا کو ان مباحثات سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اسلئے انہیں غور و خوض کے مواقع بھی بہت کم ملے ہونگے۔ لیکن اس باب میں بھی، ان کی فطرتِ سلیمہ نے رہبری کی۔ اور انھوں نے اصل مسئلہ نہایت واضح طور پر یوں بیان فرمایا۔

"اے لوگو تم جو نظیر کے امکان کے قائل ہو۔ بیشک خدائے ذوالجلال پر یہ امر مشکل اور دشوار نہیں لیکن تم اپنے اس انکار کی ایک عمدہ اور مناسب توجیہ کر سکتے ہو کہ جب اس عالم میں ایک چاند اور ایک سورج ہے۔ تو یہ موزوں نہیں معلوم ہوتا کہ خاتم ایک سے زیادہ ہو۔ ہاں جس طرح اور بے شمار عالم ہو سکتے ہیں اور پھر بے شمار چاند اور سورج ہو سکتے ہیں اسی طرح ان بے شمار دنیاؤں کے لئے بے شمار خاتم ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ ذرا اچھا نہیں کہ ایک عالم کے لئے دو خاتم فرض کرلئے جائیں۔ چونکہ خدائے تعالےٰ ہر ذرے سے ایک نیا عالم پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے ہر عالم کے ہم ایک خاتم تسلیم کرتے ہیں"

وین کہ مے گوئی توانا کردگار ✩ چون محمدؐ دیگرے آرد بکار ✩
یا خداوندِ دو گیتی آفرین ✩ ممتنع نبود ظہورِ این چنین ✩
صورتِ آرائشِ عالم نگر یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر
آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید ✩ میتواند مہر دیگر آفرید ✩
حق دو مہر از سوے خاور آورد کور باد آن کو نہ باور آورد ✩
لیک در یک عالم از روے یقین خود نگنجد دو ختم المرسلین
ہر کجا ہنگامۂ عالم بود ✩ رحمۃ للعالمینے ہم بود
کثرتِ ابداعِ عالم خوب تر یا بیک عالم دو خاتم خوب تر ✩
در یکے عالم دو تا خاتم مجو صد ہزاران عالم و خاتم بگو

جب مرزا نے مولانا کو یہ اشعار سنائے تو وہ بہت ناراض ہوئے، اور فرمانے لگے کہ "یہ تم نے کیا بکا ہے" چنانچہ

مشکی زردہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے

مرزا نے بعض مولانا کی رضامندی کی خاطر چند شعر اور زائد کئے جس میں لکھا کہ رسول اللہ کی نظیر ناممکن ہے۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرزا کی فطرتِ مسلمہ کج روی سے کسقدر کتراتی تھی اور وہ علمی مسائل جو صرف علماء کا حصہ تھا ہمارے فلسفی شاعر نے انکی گتھی کو کس آسانی سے سلجھا دیا۔ فرماتے ہیں۔

"جب تم محمدؐ رسول اللہ کو ختم المرسلین کہتے ہو۔ تو ضرور ہے کہ المرسلین کا لام استغراق کے لئے ہوگا۔ اور تمام افراد پر حاوی ہوگا۔ اس لئے اگر ہزاروں عالم ہوں جب بھی اس قاعدہ کے رو سے خاتم صرف ایک ہی ہوگا جب تم اس کے قائل ہو کہ اول ماخلق اللہ نوری درست ہے تو ضرور ہے کہ تمام عالم اُس کے نور کا پرتو اور ظہور ہو۔ اگر ہر عالم کے لئے ایک علیحدہ خاتم تسلیم کیا جائے تو رسولؐ اللہ کی اولیت قائم نہیں رہ سکتی اگر جوہر کل (خدا) ناقابل انقسام ہے تو محمدؐ رسول اللہ جو ہر کل کا حقیقی اور اولیں ظہور ہے کس طرح انقسام پذیر ہو سکتا ہے تم امکان کی لفظی وسعت سے غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہو لیکن دراصل میرا امکان اس وسعت کی اجازت نہیں دیتا جب خدائے ذوالجلال کو یہ منظور نہ تھا کہ محمدؐ رسول اللہ کا سایہ ہو۔ تو یہ اسے کب منظور ہو سکتا ہے کہ اس کی مثل کا خواہ کسی عالم میں ہی سہی وجود ہو"

اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ — دانم از روئے یقینش خواندۂ
ایں الف لامے کہ استغراق راست — حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشاء ایجادِ ہر عالم یکے است — گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
خود ہمی گوئی کہ نورش اول است — از ہمہ عالم ظہورش اول است
اولیت را بود شانے تمام — کے بہر فردے پذیرد انقسام
جوہر کل بر نتابد تثنیہ — در محمدؐ رہ نیابد تثنیہ
ور نورزی اندر امکاں ریو و رنگ — حیز امکاں بود بر مثل تنگ
ہر کرا با سایہ نہ پسندد خدا — ہمچو اوئی نقش کے بندد خدا
ہم گہر مہر منیرش کے بود — سایہ چوں نبود نظیرش چوں بود
منفرد اندر کمالِ ذاتیست — لاجرم مثلش محالِ ذاتی است

غدر کے بعد جب بہادر شاہ کو نظر بند کر کے رنگون بھیج دیا گیا اور مغلیہ خاندان کا یہ آخری ٹمٹماتا چراغ بادِ صرصر کے جھونکوں سے فنا آشنا ہو گیا۔ تو جہان آباد میں مغلیہ تہذیب اور تمدن یک لخت فنا کی نیند سو گئے۔ نئی حکومت قائم ہو گئی اور

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

نئے آئین و قوانین رائج ہو گئے۔ دنیا ظاہر پرست ہوا ہی کرتی ہے مغربی تہذیب کی روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ دل غیر ملکی ہونے لگے اور اسلاف کی عزت دلوں سے رخصت ہونا شروع ہوئی۔ قوم کا سب سے بڑا نباض فلسفی الوقت بہ قید حیات تھا۔ اس سے قوم کی یہ بے راہ روی دیکھی نہ گئی اور چاہا کہ غافل قوم کو اپنے بزرگوں کے کارناموں سے پھر روشناس کرائے۔ چنانچہ اسی غرض سے آئین اکبری کی تصحیح فرما کر طبع کرائی تاکہ قوم ذرا مڑ کر دیکھے تو سہی کہ جو کچھ ان کے بزرگوں نے کر دکھایا۔ اسوقت تک دنیا اتنی ترقی کر چکنے کے بعد بھی وہاں نہیں پہونچی۔ مرزا سے فرمائش کی کہ وہ اسپر تقریظ لکھیں مرزا تہذیب نو کے ہمہ تن پرستار ہو چکے تھے۔ یہ نمود و نمائش بھلا ترکوں میں کہاں تھی تمدن کی نیرنگیوں نے انھیں فریفتہ کر لیا تھا اس لئے بجائے تعریف کے سرسید کی اس جانفشانی کی تنقیص کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"سید نے بیشک بڑا کام کیا کہ انھوں نے آئین اکبری کی تصحیح کی تکلیف گوارا کی اب وہ مجھسے فرمائش کرتے ہیں۔ کہ میں ان کی اس باب میں مدح سرائی کروں لیکن چونکہ میں راست گو ہوں سچ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسوقت اس متاع کا کوئی خریدار نہیں مجھے حیرت ہے کہ سید نے کیوں اس مصیبت کو اپنے سر لیا۔ اگر آئین و قوانین کی خوبیوں سے آپ کو دلچسپی ہے تو انگریزی قانون کی خوبیاں عالم آشکار ہیں آپ ان سے لطف اٹھائیں۔ سائنس کی ایجادیں اور کرشمے کچھ کم مسرت انگیز نہیں دخانی جہازوں اور کشتیوں کی خودسری، گراموفون کی نغمہ سرائی، اور بجلی کی روشنی کس قدر عبرت خیز ہے اگر اس سے زیادہ اور کسی چیز کے دیکھنے کی تمنا ہے تو جائیے اور لندن کی سیر کیجئے اور علوم و فنون کی روشنی سے ضیاء اندوز ہو جئے۔ آپ کو پرانے مردے اکھیڑنے میں کیا لطف آتا ہے۔ ہاں اگر آپ آئین اکبری کی طرز تحریر کے فریفتہ ہیں تو اس سے اور بہتر کتابیں مہیا ہو سکتی ہیں۔ اس میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں۔"

من کہ آئینِ ریا را دشمنم ۔۔۔ در وفا اندازہ دانِ خود منم
کس مخر باشد بگیتی ایں متاع ۔۔۔ خواجہ را چہ بود امیدِ انتفاع
گر ز آئیں مے رود با ما سخن ۔۔۔ چشم بکشا و اندر ایں دیر کہن
صاحبانِ انگلستاں را نگر ۔۔۔ شیوہ و اندازِ اینان را نگر
از دخاں زورق برفتار آمدہ ۔۔۔ باد و موج ایں ہر دو بے کار آمدہ
نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند ۔۔۔ حرف چوں طائر بپرواز آورند
رو بہ لندن کاندراں رخشندہ باغ ۔۔۔ شہر روشن گشتہ در شب بے چراغ

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے

بیش ازیں آئیں کہ دانند روزگار ۔۔۔ گشتہ آئینِ دگر تقویم پار
طرزِ تحریرش اگر گوئی خوش است ۔۔۔ نے فزوں از ہرچہ موجوئی خوش است
ہر خوشے را خوشترے ہم بودہ است ۔۔۔ گر سرے ہست افسرے ہم بودہ است
مردہ پروردن مبارک کار نیست ۔۔۔ خود بگو کان نیز جز گفتار نیست

آپ ان اشعار سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قوم کے فلسفی اور فلسفی شاعر میں کتنا نمایاں فرق ہے اور ہمارا فلسفی شاعر سیاسیاتِ عالم سے کسقدر ناآشنا واقع ہوا ہے۔

باقی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ باقی

عزیز

کلام شاد - دیوان حضرت شاد عظیم آبادی حصہ اول ۔۔۔ ۶؍
ابو مسلم خراسانی جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا ترجمہ ۔۔۔ ۶؍
بادۂ ناب - مجموعۂ رباعیات فارسی، میر ولی اللہ صاحب بی اے ۔۔۔ عہ؍
مطالبۂ فطرت (مجلد) اتحاد فلسفۂ اسلام پر ایک بےمثل تصنیف مصنفہ محمد فاروق ایم۔ ایس۔ سی ۔۔۔ عہ؍
سالومی - اسکر وائلڈ کا نہایت مشہور ڈراما۔ مترجمہ مجنوں گورکھپوری ۔۔۔ ۱۲؍
نمکدان فصاحت - عربی فارسی، اردو کے بہترین علمی ادبی تاریخی لطائف کا مجموعہ ۔۔۔ ۸؍
تذکرہ حضرت بلھے شاہ پنجاب کے نہایت مشہور بزرگ کے تاریخی حالات ۔۔۔ ۸؍
جہان آرا بیگم - شاہجہاں کی نہایت مستند و دلچسپ تاریخ ۔۔۔ ۸؍
بندگی - امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "العبودیت" کا بےمثل ترجمہ ۔۔۔ ۱۰؍
لسان الغیب - حافظ شیرازیؒ کی مکمل سوانحعمری معہ شرح و تنقید - قیمت جلد اول ۳؍ جلد دوم ۔۔۔ ۶؍
فتنۂ خلق قرآن - امام عبدالعزیز بن یحییٰ کی کتاب "الجیدہ" کا ترجمہ مسئلہ قرآن کے متعلق ایک بےنظیر محاکمہ ۔۔۔ ۱۰؍
یادگار غالب - مرتبہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی ۔۔۔ ۲؍
کلیات نظم حالی مرتبہ شمس العلما حالی کے تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ جلد اول ۔۔۔ ۱۲؍

"نگار" بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

عطر حنا جیسا صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملیگا دوسری جگہ نہیں ملتا

دینِ مسیحی یا آفتاب پرستی

(گزشتہ سے پیوستہ)

یسوعؑ کا تکالیف اٹھانا

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ تمام جگہ سورج دیوتا مرتے ہیں[۵۱] اور مرتے بھی ہیں سخت ظلم کی موت سے، بہت بُری طرح۔ ان کی موت بھی ان کی پیدایش کی طرح مافوق العادت ہوتی ہے۔

اڈونس سیر و شکار کر رہا تھا کہ اس کو جنگلی سور نے مار ڈالا۔ بیکچس کو اُس کے دشمنوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اسی بیکچس کے فرستادہ، (پیغمبر) اورفیوس، کو عورتوں نے قتل کر دیا۔ اوسی ریس کو اُس کے بھائی ٹایفون نے دھوکا دیکر مار ڈالا۔

دوسری طرف یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ یسوعؑ یہودی حاکموں کے حکم سے مار ڈالے گئے اُنھوں نے حکام کے عیوب ظاہر کئے تھے لہذا حکام نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ مگر کس طرح؟ سو اس کے متعلق جو روایات ہم تک پہونچی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ ہم یقین کے ساتھ کچھ، اسے قایم کر سکیں۔ لیکن یہ دیکھنا چاہیئے کہ قدیم زمانہ کے لوگ ہر سال موسم سرما کے آخر میں اس مجرم کو جسکے لئے حکم قصاص جاری ہو چکا ہوتا قتل کر ڈالتے تھے اور اُس کو سورج دیوتا کا مجسمہ سمجھتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جس شخص کو مارا جاتا تھا اس کو دیوتا یعنی بادشاہوں کے سے کپڑے پہنایا کرتے تھے۔ تخت پر بٹھلاتے تھے پھر اس کے کپڑے اُتار لیتے چابک لگاتے اور صلیب پر چڑھا دیتے تھے۔[۵۲]

ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ یسوعؑ کو جب حکم موت سنا دیا گیا تو اُن کو سُرخ کپڑے پہنائے گئے یہودی حاکم کے سپاہیوں نے ان کے سر پر کانٹوں کا، تاج رکھا اور اُن کے ہاتھ میں ایک سرکنڈہ بجائے شاہی تلوار کے دیا، ان کے سامنے مزاحاً اسی طرح سلام کیا جیسے بادشاہوں کو کرتے ہیں، جب یہ سب کچھ کر چکے تو اُنھیں صلیب پر چڑھا دیا۔

اگر مفصلۂ بالا واقعات تاریخی ہیں، اگر یسوعؑ کو تکالیف دینے کا واقعہ واقعی اسی طرح ہوا تھا جس طرح انجیل میں لکھا ہے

---

۵۱ بابل کے سورج دیوتا بعل کی قبر وہیں تھی۔ مصر کے سورج دیوتا اوسی ریس کی قبر وہیں بنی ہوئی تھی۔ جزیرہ کریٹ میں وہاں کے سورج دیوتا زیوس کی قبر تھی۔

۵۲ سیمسن کو دلیلا نے بہکایا تھا۔ ہرکولیس کو دیانیرا نے یسوعؑ کو ان کے ایک حواری نے۔ اصل یہ ہے کہ سورج دیوتا دھوکے ہی سے مرتا ہے۔

۵۳ روم میں اس تہوار کو سے ٹرنیلیا کہتے تھے (سیٹرن ان کی کاشتکاری کا دیوتا تھا) اور مغربی ممالک میں وہ کارنیول کہلاتا تھا۔ اب اس کی جگہ ایک تصویر بناتے ہیں اسکو بادشاہ کے سے کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اس کو جلا ڈالتے ہیں۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر ملتا ہے

تو یقیناً یہ تمام واقعہ یسوع کے افسانہ بنانے میں بہت کچھ اثر ڈالتا ہے اور اُن کو خدائی طاقتیں عطا کرنے میں بہت زیادہ مدد دیتا ہے مگر اُن کو خدا بھی بنایا ہے تو شمسی خدا۔ اگر اس کے برعکس صرف افسانہ ہی افسانہ ہے تو اس سے یسوع اور سورج دیوتا کا ایک ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے۔

صلیب کی علامت

سوال یہ ہے کہ جو شخص کہ سال کے آخر میں سورج دیوتا پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا اس کو صلیب پر چڑھانے کی مصیبت اور تکلیف میں کیوں ڈالا جاتا تھا؟ اس موقعہ پر سزائے موت کیلئے[1] صلیب کی صورت کیوں ہوتی تھی؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایشیا میں صلیب صرف ایک نشان تھا، نشان بھی کاہے کا؟ سورج کا۔ سورج کی صورت کو اس طرح بناتے ہیں ⊕ اس کے اندر جو چارہ نشان ہے وہ شعاع آفتاب اور گرمی کا قائم مقام ہے جسے وہ دنیا کے چاروں کونوں پر پہونچاتا ہے۔

چونکہ "مکان" کا تعلق "زمان"[2] سے بہت زیادہ ہے اس لئے شمسی صلیب کی چار شعاعیں "ابدیت"[3] کی قائم مقام ہیں بابل والوں کی زبان میں "ابد" کو "لبارم" کہتے تھے۔ شاہ قسطنطین نے اپنے اس پرچم کا نام "لبارم" رکھا تھا جس کو اُس نے اپنی مشہور و معروف فتح کے وقت استعمال کیا تھا۔ اس فتح کے متعلق اُس کا خیال تھا کہ عیسا کے خدا کی مدد سے حاصل ہوئی تھی۔ اس پرچم پر جو صلیب بنی ہوئی تھی اُس کی شکل یہ تھی۔ ⊕ یہ اسی چیز سے مماثل تھی جسکو اہل بابل "لبارم" کہتے تھے

یسوع آفتاب صداقت ہیں

روایات متداولہ کے موافق جس صلیب پر کہ یسوع چڑھائے گئے تھے وہ اس وقت اس طرح رکھی گئی تھی کہ یسوع کا منھ مغرب کی طرف رہے اور پشت یروشلم کی طرف وجہ یہ تھی کہ یہ کہا گیا تھا کہ آفتاب صداقت اس مقدس شہر پر اب نہیں چمکیگا بلکہ اس کی جگہ یروشلم جدید یعنی روم پر چمکیگا۔ آفتاب صداقت کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ آفتاب صرف جان آفرین ہی نہیں ہے، بلکہ کم از کم بہت سے لوگوں کے نزدیک وہ خدائی روشنی کا نشان بھی ہے، جو انسان کے دلوں اور عقلوں پر منعکس ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال اور خیالوں کی طرح صرف عیسائیوں ہی کا نہ تھا، عیسائیت کے شیوع سے پانچ ہزار سال پیشتر

---

[1] ایشیا کے ممالک میں صلیب صرف ایک طرح کی سُوئی ہوتی تھی جس کی صورت یہ تھی۔ T۔ کفار اور یہودی عام طور پر یسوع کو پھانسی دیا جانا بتلاتے ہیں نہ کہ صلیب پر چڑھایا جانا۔

[2] یہ الفاظ فلسفی اصطلاح میں استعمال کئے گئے ہیں۔ لغوی معنی نہیں لینے چاہئیں (مترجم)

[3] یہ بھی یہاں درج کر دینا چاہئے کہ یونانی زبان میں لفظ کرائسٹ (یسوع) کا پہلا لفظ اس شکل کا ہے × جو خود ایک صلیب کی صورت رکھتا ہے۔ اس حرف کے بعد حرف P تھا یہ دونوں ملکر نجومیوں کی اصطلاحی تصویر ہوجاتی ہے جو مصریوں کی اصطلاح میں "مجسم ابد" بنجاتی ہے۔

[4] اس صورت میں یہ "خدا کا کلام" ہوگیا جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا تار کا پتہ صرف حنا کافی ہے

علمائے بابل ایک ((آفتاب انصاف و صداقت)) کا نام لیتے[۱] چلے آتے تھے

یسوع آفتاب ہی ہیں

اگر بعض فلسفیوں کے نزدیک یسوع آفتاب صداقت تھے، تو زیادہ تعداد عیسائیوں کی اُن کو آفتاب ہی سمجھتی تھی اس امر کو نہیں بھولنا چاہئے کہ ابتدا ر زمانہ کے عیسائی ہمیشہ مشرق کی طرف منھ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ تمام گرجاؤں کا رُخ کفار قدیم کے معبدوں کی طرح مشرق ہی کی طرف ہوتا تھا تاکہ اُن کا منھ آفتاب کی طرف ہے۔ ہفتہ کے پہلے دن کا نام ((خدا کا دن)) تھا اور وہ آفتاب کا دن بھی کہلاتا تھا

اس کے علاوہ ہم کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ یسوعؑ کی صورت ان کی زندگی ہی میں بدل گئی تھی۔ چنانچہ متی ۱۷۔ المرقس ۱-۹، لوقا ۹-۲۸ میں کہا گیا ہے کہ جب وہ ایک پہاڑ پر اپنے خاص شاگردوں میں کھڑے ہوئے تھے تو ان کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکنے لگا اور اُن کا لباس روشن ہوگیا۔[۲]

یسوع زندگی کے پھل ہیں

اس سوال کے جواب میں کہ یسوع کی صلیب کس لکڑی کی تھی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فرشتہ مقرب میکائیل نے آدم و حوا کے بیٹے شیث کو بہشت کے ایک درخت کی شاخ دیکر کہا تھا کہ اُس کو آدم کی قبر پر گاڑ دے جب یہ شاخ پھل دیگی تو سمجھ لینا کہ آدم کا گناہ معاف کردیا گیا۔ شیث نے میکائیل کے کہنے کے موافق کیا اور وہ شاخ درخت بن گئی؟ مگر اس نے چالیس صدیوں سے بیشتر پھل نہیں دیا۔ خدا کی یہ مرضی تھی کہ یسوع کی صلیب اسی لکڑی کی بنے جو پھل کہ یہ شاخ دے وہ نجات دہندہ کا جسم ہو۔

قرون وسطے کے بہت سے شعرا نے اس افسانہ کو لے کر اپنے اشعار میں پُر باندھ دئے ہیں۔ زمانۂ حال کے بعض شعرا نے بھی اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک افسانہ یا ایک روایت ہے اور اس کو کوئی اصول دین مسیحی نہیں کہا جاسکتا۔ انجیل یہ نہیں بتلاتی کہ یسوع کی صلیب اسی درخت کی تھی جس کا پھل حوا نے کھایا[۳] تھا۔

میں نہیں کہتا کہ عیسائیوں کے تمام اصول انجیل میں موجود ہیں یا یہ کہ اُن کا ماخذ انا جیل میں ہے مثلاً کسی انجیل میں یہ نہیں لکھا کہ یسوع کو دوزخ میں جانا پڑا۔ باوجود اس کے یہ افسانہ بھی اصول دین مسیحی بن گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوزخ میں

---

[۱] ملاحظہ ہو نکلز زمرن

[۲] روشنی کے دیوتا کا پسندیدہ لباس سفید ہی تھا۔ رومیوں کے مقتدایان مذہبی مراسم مذہبی ادا کرتے ہوئے سفید کپڑے پہنتے تھے۔

[۳] مسیح علیہ السلام کی صلیب کے قصے راقم کی کتاب ((اخبار الاندلس)) میں قابل ملاحظہ ہیں بیچارے بھولے بھالے عیسائیوں نے تو اصلی صلیب کا ٹکڑا حضرت مریم کے دودھ کے قطرے، مسیح کے بدن کے اجزا تک پیدا کردئے ہیں۔

شہاب کی سرگزشت: یہ پہلا افسانہ ہے جو تخیل نفسی کے اصول پر لکھا گیا ہے قیمت صرف عمر علاوہ محصول ڈاک

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر ملتا ہے۔

جانے کی روایت ان لوگوں نے بیان کی تھی جو تبرک آبار کلیسا تھے، اور وہ برابر اسی اعتقاد کے معتقد رہے۔

سوال یہ ہے کہ آبار کلیسا نے "میوۂ زندگی" کو بھی نشان کیوں نہیں بنایا؟ یسوع نے برکت دیتے ہوئے روٹی کا کیوں نام لیا اور میوہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آسان سا جواب تو یہ ہے کہ روٹی ہی انسان کی خوراک میں سب سے بڑی چیز ہے، لیکن صحیح جواب علم آلہیات کے موافق تو صرف آبار کلیسا ہی کو معلوم ہوگا اور وہ یقیناً اس سے بالکل مختلف ہوگا۔

یسوع کو تکلیفیں کیوں اٹھانا پڑیں

آدم کے بہشت سے نکالے جانے سے پہلے وہ صرف میوے کھاتے تھے، یا ترکاریاں بھی دونوں چیزیں ان کو بلا مشقت مل سکتی تھیں۔ مگر جب اپنی نافرمانی کیوجہ سے وہ زمین پر آئے تو خدا نے کہا کہ "تو اپنی پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھائیگا" لیکن تعجب کی بات ہے کہ صرف انسان ہی خدا کے اس فقرہ کے موافق مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا، بلکہ خود خدا پر اس کا اثر پڑا۔ مگر "باپ خدا" پر نہیں، بلکہ "بیٹے خدا" پر کیونکہ اسی کو انسان کی سب سے زیادہ محبت تھی۔ وہی اس بات پر تل گیا کہ تمام انسانوں کی نجات کے لئے وہ اپنے آپ کو قربان کر دیگا، ہاں! یہ ضروری تھا کہ یسوع تکلیف اٹھائے۔ ان کو بھی اسی طرح مرنا چاہئے تھا جس طرح زمانۂ قدیم کے وہ تمام دیوتا مرے ہیں جو نسل انسان سے محبت رکھتے تھے ان کی موت اور زیادہ تکلیف پاکر ہوئی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو نسل انسانی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ مگر جب وہ قبر سے جی اٹھے تو ان کی کامیابی پر جتنی بھی خوشی کی جائے تھوڑی ہے، ان کی وجہ سے جو نئی زندگی ملی اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

عشق و محبت

زمانۂ قدیمہ میں ملک شام کی عورتیں سات دن (مقدس ہفتہ) اپنے خدا اڈونس[1] پر روتی تھیں۔ پھر اس کے بعد اس کے جسم کو غسل دیتی تھیں (وہ جسم کیا ہوتا تھا؟ ایک لکڑی کا منقش بت) اور پھر اس پر خوشبودار تیل ملتی تھیں، جیسے کہ استارٹے نے کیا تھا[2]۔ جب یہ سب کچھ کر چکتیں تو پھر اپنے خدا کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بڑی احتیاط سے قبر میں رکھ دیتیں۔

ان غریب ایشیا کی عورتوں کو جن کی زندگی ایک ہی حالت میں گذرتی تھی، اس سے کیا غرض تھی کہ اڈونس آفتاب اور نیچر کا مجسمہ ہے جیسا کہ شعرا کا خیال تھا، یا آزادی کا جیسا کہ فلسفیوں کا خیال تھا ان عورتوں کے نزدیک تو یہ ایک نوجوان دیوتا کے مرنے اور جی اٹھنے کا تہوار صرف اس غرض سے تھا کہ وہ ایک ہی وقت اور موقعہ پر اپنا انتہائی رنج اور انتہائی خوشی ظاہر کریں۔ یہ عورتیں بے طرح اڈونس کی عاشق تھیں اور اسی واسطے وہ اس کے لئے یوں آنسو بہاتی تھیں اور ان کی زبان سے

[1] لفظ اڈونس کے معنی ہی خدا ہیں

[2] مریم مگدلینی نے بھی یسوع کے جسم پر دفن ہونے سے پہلے تیل وغیرہ ملا تھا۔ (متی ۲۶-۱۲)

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر بہت مشہور ہے۔

سے دیوتا کی جوانی اور خوبصورتی کے گیت بے اختیار نکلتے تھے

آج ہی نہ صرف ایشیا میں، بلکہ یونان، سسلی اور کلیریا میں گڈ فرائیڈے کے دن پادری صاحبان نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ یسوع کو ایک منقش لکڑی کے بت[۱] کی صورت میں اُسی احتیاط اور انھیں مراسم کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں، جس طرح کسی زمانہ میں خاص مراسم کے ساتھ عورتیں اڈونس کو دفن کیا کرتی تھیں[۲]، بلکہ اُن ہی مراسم کے ساتھ اناجیل کی مقدس عورتیں اپنے خدا کو دفن کیا کرتی تھیں؛

ہم مجبور ہیں کہ جیمیشو برائنڈ کے بعض بیانات سے اختلاف کریں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ کفار کے افسانوں میں نہ معقول باتیں ہیں نہ قرین قیاس۔ ان میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف دل خوش کن باتیں ہیں، برعکس اس کے مذہب مسیحی میں نہایت پاک خیالات اور عقائد ہیں؛ اس کی جتنی تصویریں ہیں وہ روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کے لئے ہیں۔ پھر کیا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ "مسیحی ایماندار کی آنکھ کے ایک آنسو میں وہ خوبصورتی ہے، جو خرافات الاصنام کی تمام بیہودہ غلطیوں اور غلط کاریوں میں نہیں ہے" ہمارے پاس تو نہ دو ترازو ہیں نہ دو باٹ ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ہی بیہودہ ہیں، دونوں ہی بیحد غلطیوں اور غلط کاریوں پر مبنی ہیں۔ ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی اور سے ہو سکتا ہے کہ شام کی ان عورتوں کے فعل کو عبث بتلائیں جو اڈونس کا جسم اپنے آنسوؤں سے دھوتی تھیں، یا سینٹ تھیریسا، سینٹ کیتھرائن اور میری الکوک کے اس فعل کو لغو کہیں جو خون سے بھرے ہوئے، صلیب پر لٹکے ہوئے جسم کو یا اس کی نقل کو چومتی تھیں[۳]

---

[۱] یا موم کا بت (ملاحظہ ہو فریزر کی کتاب موسومہ اڈونس، ایٹس، اوسی رس صفحہ ۱۴۴)

[۲] شہنشاہ ایڈریان کے زمانہ تک بیت اللحم کے پاس ایک مقدس لکڑی موجود تھی جو اڈونس کا تبرک سمجھی جاتی یہی سینٹ جیروم کو جنھوں نے اس کا ذکر کیا ہے، اس خیال سے بہت رنج ہوا کہ اڈونس کا ٹھیک اسی مقام پر کفار ماتم کرتے اور روتے تھے جہاں کہ یسوع نے بچپن میں اپنے پہلے آنسو بہائے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اڈونس کا یہ باغ اسجگہ دانستہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس مقدس مقام کو ناپاک کریں لیکن اس کے برخلاف ظن اغلب یہ ہے کہ بیت اللحم کو یسوع کی پیدائش کا مقام انتخاب کرنے میں مصلحت ہی یہ تھی کہ وہاں پہلے ہی اڈونس کی یادگار موجود تھی اور اس وجہ سے وہ مقام متبرک تھا۔

[۳] آدھی رات کے وقت جو نماز ہوتی ہے اس میں کتنے ایماندار عیسائی ایسے ہوتے ہونگے جو یسوع کے جسم میں خدا کے حلول کرنے کا راز سمجھتے ہیں۔ یقیناً بہت کم۔ لیکن ایک حساس دل بلاشبہ اس بچے پر شفقت کرتا ہے جو عام کس مپرسی میں پیدا ہوا، اگر باوجود اس کے وہ اتنی شان رکھتا تھا کہ بادشاہ اس کے قدم چومنے کی آرزو رکھتے تھے۔

گہوارۂ تمدن۔ اردو میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے، کہ تہذیب و ترقی کس قدر عورت کی ممنون ہے۔ قیمت ۱۲ منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

عطر منگانے کا پتہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ۔

یسوع کی موت کے بعد دنیا بھر میں اندھیرا ہوگیا

یسوع آفتاب کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ جب انھوں نے اس دنیا کو چھوڑا تو آفتاب ہی کو سیاہ ہو جانا چاہیئے۔ اسی لیئے متی ۲۷-۴۵ مرقس ۱۵-۳۳، اور لوقا ۲۳-۴۴ میں لکھا گیا ہے جیسے ہی یسوع کا انتقال ہوا اسی دم تمام دنیا میں اندھیرا ہوگیا۔

زمانہ قدیم کے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزین تھا کہ نیچر اور نسل انسانی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اسی لیئے انسانوں کے ہموم و غموم کا اثر نیچر پر جا کر پڑتا ہے۔ اس موقعہ سے سات سو برس پہلے رومولوس بانی شہر روم کے مرنے کے وقت بھی دنیا میں اندھیرا ہوگیا تھا۔ ہندوستان میں جب مہاتما بدھ کا انتقال ہوا ہے تو سورج چاند اور ستارے تاریک ہوگئے تھے؛ تمام قسم کی روشنیاں شان و شوکت اور خوشی و خرمی یک قلم جاتی رہی تھی جس طرح یسوع کے انتقال کے وقت ہوا تھا۔ سیزر کے مرنے پر طلوع آفتاب سے چھ گھنٹہ کے اندر ہی آفتاب غروب ہوگیا تھا، یعنی دن کے بارہ[۱] بجے۔ قرون متوسطہ میں آفتاب و ماہتاب تاریک ہوگئے تھے؛ اس سے لوگوں نے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ شارلے مین مرجائیگا، اور یہی ہوا۔ آج بھی اکثر ملکوں میں یہ اعتقاد جاری و ساری ہے کہ کسی آدمی کے پیدا ہونے پر ایک نیا ستارہ آسمان پر نکل آتا ہے اور جب وہ مرجاتا ہے تو وہ ستارہ[۲] بھی غائب ہو جاتا ہے

جب یہ خیالات دنیا میں پھیلے ہوئے تھے تو یہ بتلایا جاتا کہ یسوع کے مرنے کے وقت دنیا میں تاریکی ہوگئی تھی کچھ تعجب انگیز نہیں رہ جاتا۔ بلکہ معجزہ (اگر ہم اس لفظ کو استعمال کر سکتے ہیں) تو اُس وقت ہوتا کہ یسوع اسوقت مرتے کہ جب آفتاب نکلا ہوا ہوتا۔

یسوع بھیڑ کا بچہ

تیس صدیاں گزریں کہ عین سال کے پہلے دن یہ معلوم ہوتا تھا کہ سورج برج ثور میں داخل ہوا، اس زمانہ سورج دیوتا خاص کر موسم بہار کے دیوتا کو ثور (بیل) سے مماثلت دیجاتی تھی۔

لیکن بیس صدیاں گزریں کہ ایک خاص دن آفتاب برج جدی (بھیڑ)[۳] میں گیا اسی وجہ سے یسوع کو اکثر بھیڑ یا بھیڑ کا بچہ کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانہ کی زبان میں یہ دونوں جانور ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیئے جاتے تھے۔ اگر بھیڑ کے بچہ کا نشان بجائے بھیڑ کے قرار دیا گیا تو یقیناً وہ یہودیوں کی ایک رسم کے موافق ہوا ہوگا جس کو یہ لوگ (یہودی) ایک خاص مذہبی رسم میں بھیڑ کا بچہ کہتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ یسوع کو وہ "بھیڑ کا بچہ" قرار دیا گیا "جو خدا نے بھیجا تھا" اور یہی بھیڑ کا

---

۱ اس معجزے کا عین نصف النہار ہونا اور بھی تعجب خیز ہے۔

۲ سسلی میں یہ نظریہ خوب متداول ہے۔ شہاب ثاقب کی یہی وجہ بتلائی جاتی ہے۔

۳ ہیئت کے ایک مقررہ قانون کے موافق ہر بائیسویں صدی میں آفتاب برج سے دوسرے میں جاتا ہے۔

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ مقبول عام ہے

بچہ" انسانوں کی نجات کے لئے قربان کیا جانے والا تھا۔

اصول عیسویت کے موافق "خدا کا بھیجا ہوا بھیڑ کا بچہ" دنیا بھر کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہے، جس طرح کہ بنو اسرائیل کا گناہ ایک بکرا اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ بابل میں بھی بھیڑ، یا سور، تمام بابل والوں کا گناہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے اس زمانہ کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ جادوگروں میں یہ طاقت ہے کہ ایک شخص کی بیماری کسی دوسرے گنہگار کے یا کسی جانور کے جسم میں پہونچا دیں اگر جانور ہوتا تھا تو اس کو شہر سے باہر نکال دیتے تھے یا مار ڈالتے تھے۔ اعتقاد یہ تھا کہ وہ ناپاک روح، جس سے بیماری پیدا ہوتی تھی، اس جانور کے مار ڈالنے سے مر جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح یسوع یعنی خدا کے فرستادہ بھیڑ کے بچے نے دنیا بھر کے گناہ اپنے کندھے پر لے لئے تھے اس لئے ان کو تکلیفیں دے کر مار ڈالا گیا۔ یسوع کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ ٹھیک اسی قاعدہ کے موافق ہوا جس پر جادوگر عمل کرتے تھے۔

ایک روایت کے موافق جب یسوع کی صلیب (درخت نجات) زمین میں گاڑی گئی تو وہ سب سے پہلے انسان کی قبر میں گڑی "نجات دہندہ بھیڑ کے بچے" کا خون جب مقدس لکڑی پر گرا تو وہاں سے آدم کی کھوپڑی پر پہونچا۔ آدم ہی سب سے پہلے مجرم تھے کہ جن کی نجات از بس ضروری تھی۔ کفار جب کسی بیل یا سانڈ کو سورج دیوتا پر قربان کرتے تھے تو سانڈ کو ایک سوراخ دار تختہ پر لٹاتے تھے جو کسی گڑھے پر رکھا جاتا تھا۔ گڑھے کے اندر خوش اعتقاد لوگ کھڑے ہو جاتے تھے کہ قربانی کا خون اُنکے سروں پر گرے اور ان کے گناہ دُھل جائیں۔

مسیح کے صلیب پر چڑھنے سے دنیا کے پچھلے گناہ تو معاف ہو گئے آئندہ گناہوں کے متعلق ابھی غور کرنا باقی تھا یہی ٹیڑھا سوال تھا۔ آخر عیسائی اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس موت کی یادگار اور بار بار کی قربانی (نماز کی قربانی) کا یہ اثر ہوگا کہ آدمی شیطان کے شر سے محفوظ رہیگا، گناہ اُس سے سرزد نہوں گے، اور اگر گناہ کریں گے بھی تو وہ معاف ہو جائینگے۔

بیکچس کی عبادت کرنے والے یونان میں اور مہر کی عبادت کرنے والے ایران میں ہر سال کے مقررہ اوقات میں ایک محفل منعقد کرتے تھے اور اس میں سانڈ کا گوشت کھاتے اور اس کا خون پیتے تھے۔ ایسا کرنے سے ان کا اعتقاد تھا کہ وہ اپنے دیوتا سے جا ملتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عیسائی بھیڑ کے بچے کا گوشت کھاتے اور اس کا خون پیتے ہیں "جو شخص کہ میرا گوشت کھائیگا اور میرا خون پیئے گا وہ مجھ میں رہیگا اور میں اس میں" (یوحنا ۶-۵۶)

---

[۱] دیکھئے نوسی کی کتاب، موسومہ "مجوسیان اسیریا" صفحہ ۸۵

[۲] بیماری کسی گناہ کی سزا سمجھی جاتی تھی۔

[۳] مسیحیوں کی روایت کے موافق آدم یروشلم میں ٹھیک اسی مقام پر دفن ہوئے تھے کہ جہاں یسوع کو صلیب دی گئی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگائیے

یہ صحیح ہے کہ یہ گوشت اور خون عیسائیوں کے سامنے ایک مصنوعی طریقہ یعنی روٹی۱؎ اور شراب کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے یہ روٹی اور شراب، گوشت اور خون کی قائم مقام ہوتی تھی اور یقیناً یہی رسم اسی صورت میں مذہب عیسوی سے پہلے یونان کی ایک مذہبی رسم کا جزو اعظم ہوتی تھی۔

چونکہ اورفیوس زمانۂ قدیم کی مرموز رسوم کا بانی تھا، عیسائیوں نے اپنے مذہب کی بھول بھلیاں میں یسوع کو اس کا بانی قرار دیا اور ان کے قرار دادہ رموز کو حقانیت پر مبنی تبلایا مگر ان سے اورفیوس کو نہ مٹا سکے حقیقت یہ ہے کہ یونانی اور عیسائی رموز کچھ اس طرح ایک دوسرے سے مل جل گئے ہیں کہ آبائے کلیسا کو یہ قرار دینا پڑا کہ اورفیوس، موسیٰ پر ایمان لائے ہوئے تھے اور وہ بھی یسوع کے بشیر۲؎ ہیں۔ اس کے علاوہ یسوع اور اڈونس کی طرح اورفیوس کو بھی دوزخ میں جانا پڑا تھا۔

باقی .... باقی

محمد خلیل الرحمٰن

اصلاحِ سخن

ترتیب موضوع کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب جس میں جناب شوق سندیلوی نے اپنی چند غزلوں کو مع ان تمام اصلاحوں کے یکجا کر دیا ہے جو مشاہیر شعراء نے دی تھیں ایک ہی وقت میں ایک ہی شعر پر اساتذۂ فن کی مختلف و متضاد رائیں اور اُن کے متعدد پر لطف خطوط دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ قیمت صرف تین روپیے

فغانِ آرزو

جناب سید انور حسین آرزو لکھنوی کے مشہور شاعر کا مجموعہ کلام جس پر نگار میں ریویو شایع ہو چکا ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ

مینیجر نگار لکھنؤ

۱؎ یہ چھوٹی سی روٹی روپیہ کے برابر ہوتی ہے جس پر صلیب بنی رہتی ہے۔

۲؎ شاہ الکزینڈر سیویرس (سنہ ۲۲۲-۲۳۵) نے یسوع اور فیوس کا نام نماز میں شامل کر دیا۔

۳؎ فیثاغورس بھی دوزخ میں گیا تھا۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

علم فراست الید

یا

علم سمدرک

(بہ سلسلۂ ماسبق)

ہات کی تقسیم | یہ علم ہات کے جن حصوں سے بحث کرتا ہے یہ ہیں :- ہتیلی - انگوٹھا، انگلیاں، پوریں اور ناخن انہیں سے ہر ایک کی ساخت و حالت سے انسانی میلان اور فطری رجحان کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ہتیلی انسان کی مادی ذہانت کو ظاہر کرتی ہے اور انگلیوں سے دل و دماغ کی قوت کا پتہ چلتا ہے، ہات چونکہ دماغ کا آلہ ہے اس لئے کسی شخص کی ہتیلی، انگلیاں اور انگوٹھا جسم کی ساخت کے لحاظ سے مناسب ہونگے تو معلوم ہوگا کہ اس شخص کا دماغ صحیح ہے اور فطرت کی طرف سے اچھا ذہن لے کر آیا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بہت زیادہ نشو و نما پائے ہوئے ہوگی تو اسی کے لحاظ سے کوئی خاص صفت اسمیں زیادہ نمایاں ہوگی۔

ہتیلی | اگر ہتیلی بڑی، پُر گوشت اور سخت ہوگی اور انگلیاں موٹی ہونگی (یعنی انگلیوں کی جڑ اور ان کے سرے برابر چوڑے ہوں گے) تو ثابت ہوگا کہ ایسے شخص میں مادی امور کے متعلق فہم و تدبر کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کی ہتیلی پتلی اور باریک ہوگی تو ثابت ہوگا کہ وہ بزدل غبی اور عصبی مزاج کا ہے۔

اگر کسی کا ہات بہت نرم ہو اور دبانے سے دبتا چلا جائے، ہتیلی معمولی طور پر پرگوشت ہو، تو ثابت ہوگا کہ وہ شخص کاہل ہے اور تعیشات کا شایق۔ گہری پتلی ہتیلی یقیناً بدنصیبی کی علامت ہے اور ایسا انسان اکثر مصائب میں مبتلا رہتا ہے البتہ اگر ایسی ہتیلی کے ساتھ قسمت کی لکیر (جسے خطِ شمسی کہتے ہیں اور جس کا ذکر آگے آئے گا) اچھی ہو تو بیشک اسکی تلافی ہو سکتی ہے

وہ لوگ جن کے ہات بڑے اور پُر گوشت ہوتے ہیں وہ ہر کام میں جزئیات کی تفتیش و تحقیق کے شائق ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے چھوٹے ہات والا انسان معمولی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ بڑے معاملات سے دلچسپی لیتا ہے چنانچہ تم دیکھو گے کہ بڑی بڑی عمارتوں کے بنانے والے یا اُن کا ڈزائن کرنے والے اکثر چھوٹے ہات رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی تجربہ کرو گے کہ جن لوگوں کے ہات چھوٹے ہوتے ہیں وہ بڑے حروف لکھتے ہیں اور بڑے ہات والے چھوٹے حروف۔۔۔

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر مل سکتا ہے

انگوٹھا

اس علم میں انگوٹھا نہایت اہم حصہ ہات کا سمجھا جاتا ہے۔ دوسری انگلیوں کی طرح انگوٹھے کے بھی تین حصے یا پوریں ہیں۔ پہلی پور جسمیں ناخن شامل ہے، دوسری پور درمیانی اور تیسری وہ جسمیں ہتیلی کا ایک حصہ شامل ہے۔ پہلی پور قوت ارادہ کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری قوتِ فہم وتدبر کو، اگر یہ دونوں پوریں برابر کی ہونگی تو معلوم ہوگا یہ دونوں قوتیں برابر کی ہیں اور ایسا انسان معاملات پر غور بھی کرتا ہے اور عمل بھی۔ اگر پہلی پور نوکیلی ہوگی تو ایسا آدمی ماحول سے زیادہ متاثر ہوگا اور دوسروں کے اثر کو جلد قبول کرلیگا لیکن اگر پہلی پور دوسری پور سے چھوٹی اور چوڑی ہوگی تو خودرائی کا مادہ زیادہ پایا جائیگا۔ اگر پہلی پور کا زیادہ بھرا ہوا حصہ جوڑ کے قریب ہو یہاں تک کہ دوسری پور تک چلا گیا ہو تو ایسا شخص ضدی ہوگا، اور جب تک پوری طرح کسی بات کا یقین نہ ہوجائے وہ اپنے خیال کو ترک نہیں کریگا اگر پہلی پور بہت چھوٹی ہوگی تو قوت ارادہ مفقود ہوگی اور ایسا شخص خیالی دنیا میں زیادہ زندگی بسر کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ جنس نازک کے انگوٹھوں کی پہلی پور بہت چھوٹی ہوتی ہے

ابھی ظاہر کیا گیا ہے کہ دوسری پور قوت فہم وفیصلہ کو ظاہر کرتی ہے اگر دوسری پور لمبی اور پہلی پور کے برابر ہوگی تو معلوم ہوگا کہ ایسے شخص میں قوتِ استدال وفیصلہ عمدہ ہے لیکن اگر اسی کے ساتھ پہلی پور چھوٹی ہوگی تو قوتِ عمل کا اضمحلال اس سے ظاہر ہوگا اور ایسا شخص اپنے خیالات وتجاویز کو مشکل سے عملی صورت پر لاسکیگا۔

دوسری پور اگر چھوٹی ہوئی تو علاوہ فقدانِ قوت استدلال کے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ دوستی اور رازداری میں وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اگر دوسری پور کے برابر موٹی ہوگی تو اس پور کی خصوصیات (یعنی قوت استدال وفیصلہ) بہت زیادہ نمایاں ہوجائینگی لیکن اگر اسقدر موٹی نہ ہو بلکہ پتلی ہو اور کمر کی طرح دونوں طرف سے اس میں ڈھال ہو تو ایسا شخص دوسروں کے جذبات کو صدمہ نہیں پہونچائے گا۔

تیسری پور ہتیلی میں شامل ہے اور اس کا بیان آگے ہوگا

انگوٹھے کا بیرونی جانب بھی قابل غور ہے۔ اگر ہات پٹ رکھدیا جائے تو غور کرنیسے دو زاویے نظر آئیں گے ایک پہلے جوڑ پر دوسرا دوسرے جوڑ پر۔ پہلا زاویہ وقت کا ہے اور دوسرا موسیقی کا۔ اگر کسی شخص میں یہ دونوں زاویے نمایاں ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ موسیقی کا ذوق اس میں قدرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اگر ان دونوں زاویوں کی درمیانی جگہ پر گوشت ہوگی تو معلوم ہوگا کہ ذوق موسیقی تربیت یافتہ ہے ورنہ نہیں۔

جون ۱۹۲۲ء کے نگار کی ضرورت ہے جو صاحب فروخت کرنا چاہیں اس پتہ سے خط کتابت کریں

محمد عمر صدیقی تلہری
پوسٹ گرگاؤں
بمبئی نمبر ۴

معاون شعراء۔ گنجینۂ قوافی کی قیمت غلطی سے گزشتہ ماہ میں عہ چھپ گئی اس قیمت صرف عہ ہے (محمد یوسف گجرات پنجاب)

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی بہت مشہور دکان ہے

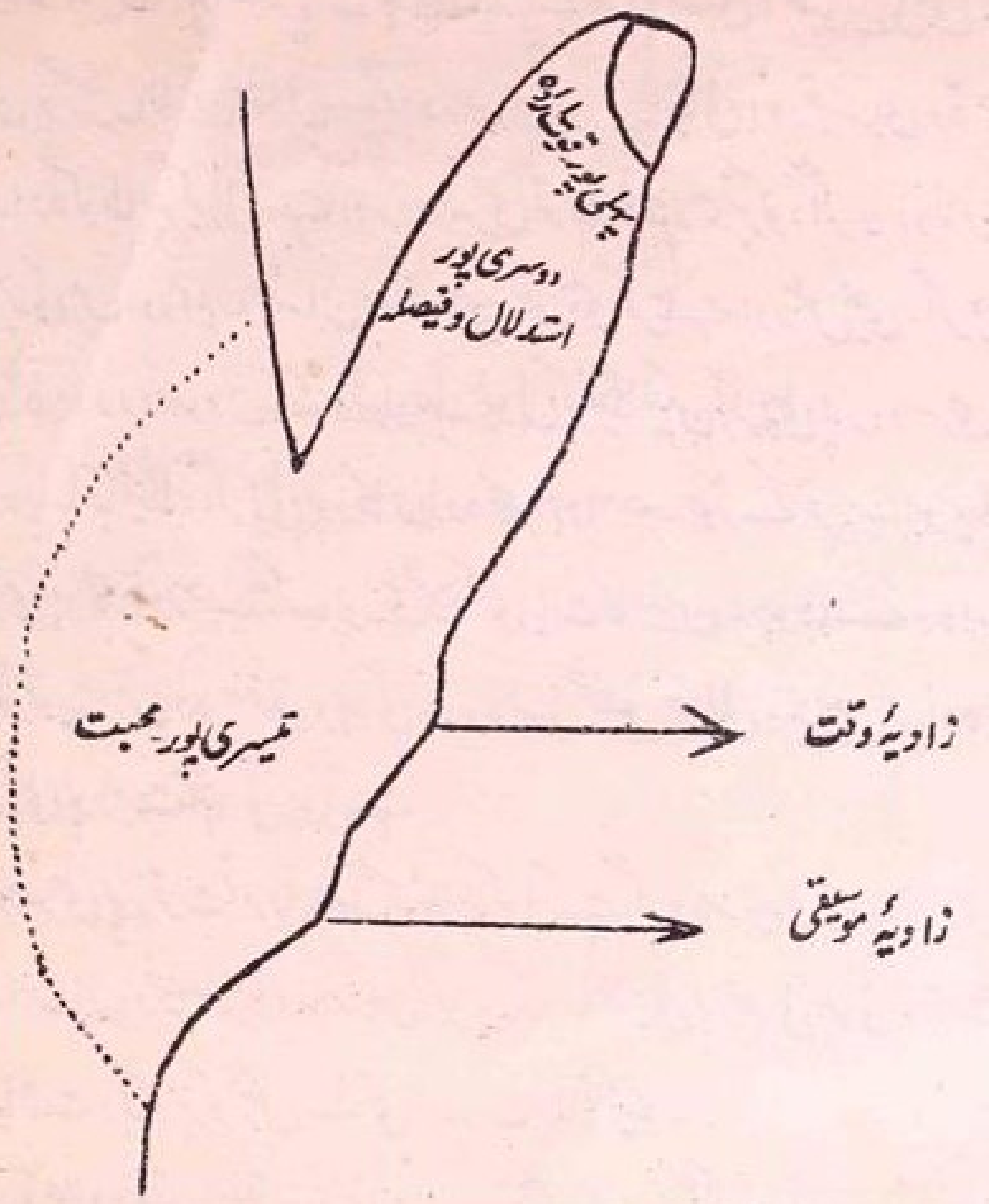

انگوٹھا اپنی ساخت کے لحاظ سے دو قسم کا ہوتا ہے نرم و نازک یا سخت و مضبوط۔ نرم انگوٹھا ہمیشہ پیچھے کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے اور اس کا جوڑ نرم و نازک ہوتا ہے۔ برخلاف اُسکے سخت انگوٹھا سیدھا رہتا ہے اور اسکا جوڑ مضبوط ہوتا ہے۔

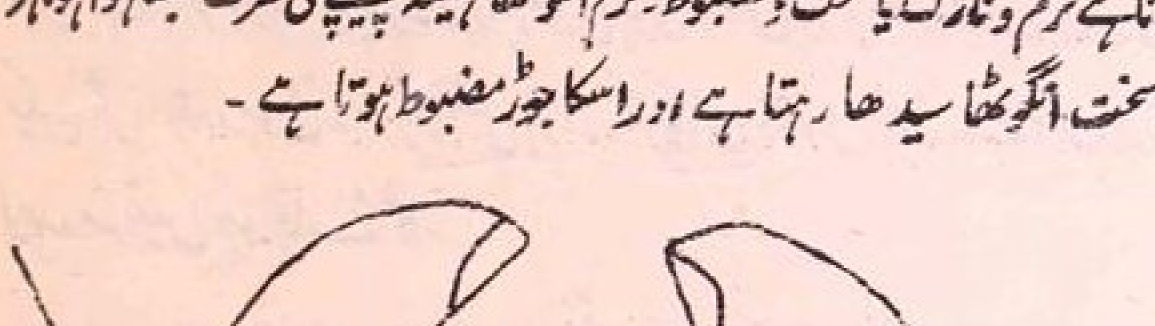

نازک جوڑ کا انگوٹھا ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص ضدی نہیں ہے، معقول بات کو سن سکتا ہے اور بہت فراخ دل ہے اگر ایسے انگوٹھے کے ساتھ دماغی لکیر (جسکا ذکر آگے آئے گا) ہتیلی کے نیچے کی طرف مائل ہوگی تو یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہو جائیگی۔ لیکن اگر یہ لکیر سیدھی چلی گئی ہوگی تو اس خصوصیت میں کمی ہو جائیگی۔ نرم انگوٹھے کا انسان فیاض ہوتا ہے اور اس کی فیاضیاں فضول خرچی کی حد تک پہونچ جاتی ہیں۔ ہاتھ کی انگلیاں پھیلانے میں انگوٹھا انگلیوں سے جس قدر زیادہ دور رہیگا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے عطر و تیل خرید کیجئے

اسی قدر ایک انسان فیاض اور فضول خرچ ہوگا اور جتنا انگلیوں کی طرف کھنچا رہیگا، اسی قدر محتاط، بخیل یا دنی ہوگا۔ نرم جوڑ کے انگوٹھے کا انسان دوسروں پر کرم کرنے کے لئے ہر وقت طیار رہتا ہے اور سخت انگوٹھہ والا اپنی رائے بھی بغیر سوچے ہوئے نہیں دیتا۔ پھر چونکہ نرم جوڑ کا انگوٹھا رکھنے والا بہت ذی مروت ہوتا ہے اور وہ سامنے انکار نہیں کر سکتا، اس لئے یہ بھی ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ وعدہ کر لیتا ہے لیکن پھر اُسے پورا نہیں کرتا اور ارادہ بدل دیتا ہے

سخت جوڑ کا انگوٹھہ رکھنے والا آدمی سخت مزاج ہوتا ہے، وہ اول اول کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا جب تک پورا ثبوت نہ ملے۔ اسی کے ساتھ اگر وہ کسی بات کا عزم کر لیتا ہے تو پھر وہ اپنے فیصلہ سے نہیں ٹلتا اور جس قدر مخالفت کیجاتی ہے اسی قدر اس کی ضد بڑھتی جاتی ہے۔ ایسے انگوٹھے کی پہلی پور جسقدر زیادہ لانبی ہوگی اسی قدر یہ خصوصیت زیادہ نمایاں طور پر پائی جائے گی۔ ایسے لوگ بہت مشکل سے دوست بنتے ہیں اور بہت دیر میں کھلتے ہیں ایسے لوگ ریل کے سفر میں کبھی کسی سے بات نہیں کرتے اور عظمت پسند ہوتے ہیں۔ سوسائٹی میں مقبول نہیں ہوتے اور مغرور و متکبر کہلاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے انگوٹھے کا سرا بہت موٹا اور بھدا ہوتا ہے انگوٹھے کی یہ قسم نہایت وحشیانہ و جاہلانہ ہے۔ ایسے لوگ بہت سخت، ظالم، اور وحشی ہوتے ہیں اگر انکی مخالفت کیجائے تو غصہ سے اندھے ہو جاتے ہیں اور بے قابو ہو کر سنگین سے سنگین جرم کے مرتکب ہو سکتے ہیں پیشہ ور قزاقوں اور قاتلوں کے انگوٹھے اکثر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایسے انگوٹھے کا انسان پہلے سے کوئی بات نہیں سوچتا اور نہ کسی جرم کے لئے قبل سے کوئی تدبیر کرتا ہے کیونکہ اُسکے انگوٹھے میں غور و تامل کا حصہ (یعنی دوسری پور) بہت ضعیف ہوتی ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے دفعتہً اسی وقت سب کچھ کر ڈالتا ہے۔ الغرض انگوٹھا جس قدر زیادہ چھوٹا اور بھدا ہوگا اسی قدر حیوانیت سے زیادہ قریب ہوگا۔

بعض انگوٹھے سیدھے ہوتے ہیں اور بعض کمر کی طرح درمیان سے پتلے (گاؤدم) ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ

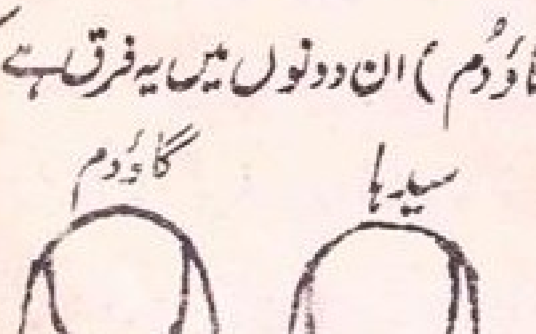

سیدھے انگوٹھے کا انسان ہمیشہ دلیل اور سبب پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے اور اسپر عامل ہوتا ہے برخلاف دوسری قسم کے کہ وہ صرف چالاکی اور عیاری سے اپنا کام نکالتا ہے اور اسباب و دلائل کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

انگلیاں اس علم میں پہلی انگلی کا اصطلاحی نام مشتری کی انگلی ہے درمیانی انگلی زحل سے منسوب کی جاتی ہے، تیسری آفتاب یا شمس سے اور چوتھی عطارد سے

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

چھوٹی اونگلیوں کے آدمی فوراً ایک فیصلہ کرکے عمل شروع کردیتے ہیں، وہ وقت کی ضرورت ومصلحت کو دیکھ کر کام کرتے ہیں اپنے مدعا کو آزادی سے ظاہر کرتے ہیں اور عموماً نتیجہ پر بغیر کافی غور کئے ہوئے پہونچ جانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ اشیاء کی ظاہری صورت اور زندگی کی رسمی پابندیوں کی پرواہ نہیں کرتے اگر چھوٹی انگلیاں موٹی اور بھدی ہونگی تو خود غرضی اور ظلم پرستی کو ظاہر کرینگی۔ لانبی اونگلیاں رکھنے والا انسان ہر مسئلہ میں تفصیل وجزئیات کا شایق ہوتا ہے اس میں خودداری پائی جاتی ہے۔ معمولی معمولی باتوں سے اس کو صدمہ پہونچ جاتا ہے۔ ہتیلی کو دیکھتے ہوئے اگر اونگلیاں نسبتاً زیادہ لانبی معلوم ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا شخص ذہین ہے اور اس کا دماغ اچھا ہے برخلاف اس کے چھوٹی اور بھدی اونگلیاں حیوانیت اور مادیت کی طرف رغبت کا پتہ دیتی ہیں۔

اگر اونگلیاں ڈھیلی ڈھیلی نظر آئیں اور پشت کی طرف مڑتی ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا انسان بہت فراخ دل بے پرواہ فضول خرچ اور زود فہم ہے اور سخت ومضبوط اونگلیوں والوں کی طرح لکیر کا فقیر نہیں ہے۔ اگر اونگلیاں اندر کی جانب مڑی ہوئی ہوں گی، تو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص نئے خیالات کو مشکل سے قبول کرتا ہے اور جو کچھ اس کے ذہن میں آچکا ہے اسپر سختی کے ساتھ جما رہتا ہے۔ اگر انگلیوں کے جوڑ ابھرے ہوئے ہوں گے تو ان سے جوش اور جزئیات پسندی ظاہر ہوگی چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بڑے بڑے کاموں کا انتظام کرنے والے اور اہم تجاویز کو عمل میں لانے والوں کی اونگلیاں گرہ دار ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے چکنی اور سپاٹ اونگلیاں رکھنے والے جذبات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور ان سے مغلوب ہوکر کام کرتے ہیں۔

انگوٹھے اور پہلی اونگلی کے درمیان جسقدر زیادہ فصل ہوگا اسیقدر بے خوف ارادہ ظاہر ہوگا، پہلی اور دوسری اونگلی کے درمیان اگر زیادہ فصل ہوگا تو خیال کی آزادی ثابت ہوگی، دوسری اور تیسری اونگلی کا درمیانی فصل حالات سے بے پروائی کو ظاہر کرتا ہے، اور تیسری چوتھی اونگلی کا فصل قوت عمل کی آزادی کو

پہلی اونگلی کا زیادہ لمبا ہونا تکبر غرور، حکومت واقتدار کی خواہش اور میلان تعیش کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہی اونگلی نوکیلی ہوئی تو مذہبی عروج کو ظاہر کریگی، اگر چوکور (مربع ہوئی) تو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص صداقت کی جستجو کرنے والا اور روادارانہ طبیعت رکھتا ہے۔ اگر یہ انگلی چھوٹی ہوگی تو کند ذہنی اور عدم ہمدردی کو ظاہر کرے گی۔

دوسری اونگلی اگر چوکور یا مربع ہوگی تو اُس سے عقل اور زراعت کی طرف میلان کا پتہ چلیگا لیکن اگر وہ چپٹی ہوئی تو واہمہ پرستی کو ظاہر کریگی اور اگر چپٹی ہونے کے ساتھ زیادہ لانبی بھی ہوئی تو خودکشی کے میلان کو بتائے گی۔ اگر یہی اونگلی نوکیلی ہے تو سخت دلی اور کھلنڈراپن ظاہر کریگی۔

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک دہلی میں ہے۔

تیسری انگلی اگر پہلی کے برابر ہو اور سرا چوکور ہو تو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص آرٹ کی ذہانت رکھتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے دولت حاصل کرنے کا آرزومند ہے، اگر سرا چپٹا ہوگا تو بہت جراٴت کے ساتھ ترقی کی راہیں نکالیگا، اگر مخروطی ہات والے کی درمیانی انگلی ایسی ہوئی تو آرٹ میں جدت واختراع کا مادہ ظاہر ہوگا اور اگر وہ کوئی مقرر یا ایکٹر ہے تو اس کی غیر معمولی قوت تقریر وتمثیل ثابت ہوگی۔

چوتھی انگلی کا سرا اگر مربع یا چوکور ہوگا تو اس سے اظہار مدعا کی آسانی اور علمی تحقیق کی خواہش ظاہر ہوگی، اگر مخروطی ہوگا تو مخفی علوم اور مختلف زبانیں سیکھنے کے شوق کو ظاہر کریگا۔ اگر سرا چپٹا ہوا تو اس انگلی کی تمام خصوصیات زیادہ نمایان نظر آئیں گی۔ اگر یہ انگلی اس قدر لمبی ہو کہ تیسری انگلی کے ناخن تک پہونچ جائے تو اس سے قوتِ تقریر اور طبیعت کی ہمہ گیری ظاہر ہوگی۔ لیکن اگر یہ بہت چھوٹی ہوگی تو اس سے سرعت فہم، برمحل سوجھ بوجھ اور دوسروں کے لئے رواداری کا جذبہ ظاہر ہوگا۔

اگر انگلیاں بالکل سیدھی ہوں اور انکا درمیانی فاصلہ بھی برابر ہو تو معلوم ہوگا کہ ہر انگلی کی خصوصیات اپنی اپنی جگہ نمایاں ہونگی لیکن اگر وہ سیدھی نہیں ہیں بلکہ کسی خاص انگلی کی طرف مائل ہیں تو اس انگلی کی خصوصیات سے متاثر ہونا لازم ہے

ہر انگلی میں تین پورے ہوتی ہیں۔ پہلی پور جسمیں ناخن کا حصہ شامل ہے رسائی ذہن کا حال بتاتی ہے، دوسری پور قوتِ استدلال کو ظاہر کرتی ہے اور تیسری پور سے مادی معاملات کے متعلق انسانی ذہانت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

پہلی انگلی پہلی پور سب سے زیادہ لمبی ہوگی تو تربیت وتہذیب اور عدل وانصاف کی پسندیدگی کو ظاہر کریگی۔ اگر دوسری پور زیادہ لمبی ہوگی تو اس سے بلندی حوصلہ اور حکومت واقتدار کی محبت ثابت ہوگی۔ اگر تیسری پور زیادہ لانبی ہوئی تو آرام طلبی ظاہر ہوگی۔

دوسری انگلی پہلی پور کا بڑا ہونا رنج وغم کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسری پور کا بڑا ہونا زرعی اور مکانکی ذوق کو بتاتا ہے۔ تیسری پور کی لمبائی طمع وحرص کا پتہ دیتی ہے۔

تیسری انگلی پہلی پور کی لمبائی آرٹ کی محبت، دوسری پور کی لمبائی صناعانہ ذہانت کے ذریعہ سے ترقی اور تیسری پور کی درازی فخر وپندار اور دولت کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔

چوتھی انگلی پہلی پور کی درازی فصاحت وبلاغت اور علم کی محبت ثابت کرتی ہے، دوسری پور کی لمبائی تجارتی قابلیت اور تیسری پور کی لمبائی ہوشیاری کے برے استعمال کو بتاتی ہے۔

اگر پوروں میں صلیبی نشان اس قسم (×) کے ہوں گے تو ان کی خصوصیات ضعیف ہو جائیں گی۔

عمدہ عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدیے

ناخن

ناخنوں کے دیکھنے سے نہ صرف انسانی طبائع کا حال معلوم ہوتا ہے بلکہ امراض کا بھی پتہ چل سکتا ہے۔ ناخن چار قسم کے ہوتے ہیں، لمبے، چھوٹے، چوڑے، پتلے۔

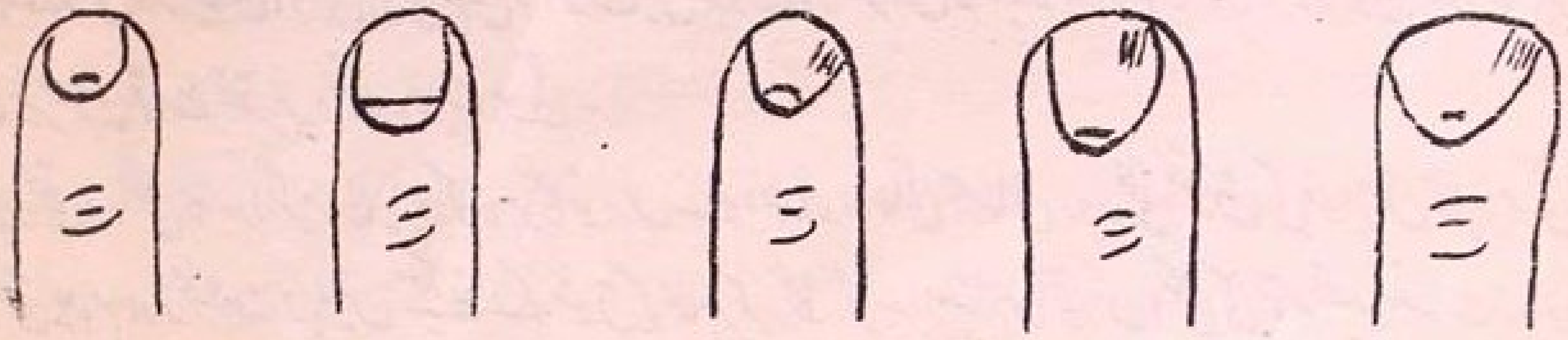

مفلوج ہونے کی اہلیت — قلب کی کمزوری

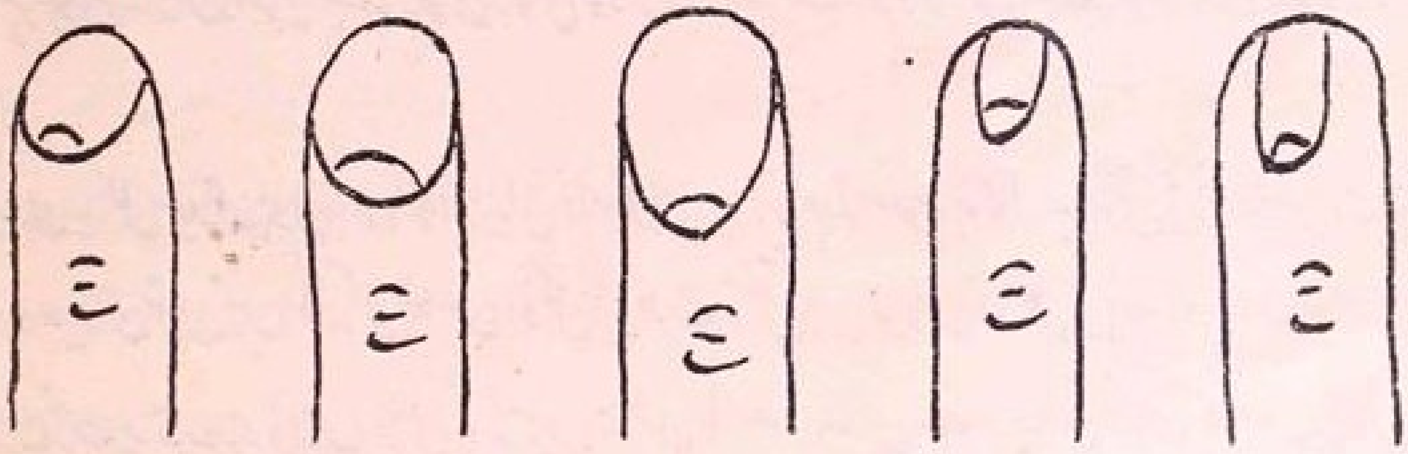

نخاعی کمزوری — کمزور پھیپھڑا — کمزور سینہ — حلقوم کی بیماری

اگر ناخن بہت لانبے ہونگے تو جسم انسانی مضبوط نہ ہوگا ایسے آدمی پھیپھڑے اور سینے کے امراض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں علی الخصوص اسوقت جبکہ ایسے ناخنوں میں اُبھری لکیریں بھی نظر آئیں

اس قسم کے ناخن اگر دیکھنے میں چھوٹے معلوم ہوں گے تو کھانسی، اور حلق کے امراض کی اہلیت ثابت ہوگی اگر یہ نیلگوں ہوں گے تو اور زیادہ جسمانی کمزوری ظاہر ہوگی اور دورانِ خون کا ضعف ثابت ہوگا۔

چھوٹا ناخن ضعف قلب کے علامت ہے خاصکر جب اسپر بہت باریک سفید چتیاں نظر آئیں اور اگر اسمیں چوڑائی کی طرف لکیریں ہوں تو خطرہ اور زیادہ سخت ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی لکیر بہت گہری پیدا ہوگئی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ کسی سخت بیماری نے اعصاب کو بیکار کردیا ہے اور اگر زیادہ غور سے کام لیا جائے تو بیماری کی تاریخ بھی متعین ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ایک پورا ناخن نو مہینے میں جڑ سے کنارہ تک بڑھتا ہے اس لئے اگر لکیر ناخن کے بالکل سرے پر پائی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ ۹ مہینے قبل بیماری لاحق ہوئی تھی، اگر لکیر درمیان میں ہوگی تو چار، پانچ مہینے کا زمانہ متعین ہوگا اور اگر جڑ میں ہوگی تو سمجھا جائیگا کہ ابھی ایک ہی مہینہ گزرا ہے۔

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

ناخنوں پر سپید چتیاں کمزور جسمانی ساخت کی علامت ہیں، اور جسقدر ان میں زیادتی ہوگی اسیقدر زیادہ جسمانی ضعف کا پتہ چلیگا ۔ لمبے تنگ ناخن نخاعی کمزوری ثابت کرتے ہیں۔ اگر یہ بہت باریک اور خمیدہ ہوں گے تو معلوم ہوگا کہ نخاع میں بھی خم ہے اور عام صحت خراب ہے ۔

بہت چپٹے ناخن جن کے کنارے گوشت سے علیٰحدہ نظر آئیں مفلوج ہونے کی اہلیت کو ثابت کرتے ہیں خاصکر جب جڑ کی طرف نوکیلے ہوں جب اس قسم کے ناخنوں میں سفید چتیاں نہ ہوں اور وہ سپید نیلگوں رنگ کے ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ مرض بہت بڑھ گیا ہے ۔

ناخنوں پر بڑے نشان چاند کے سے قلب کی مضبوط حرکت اور خون کے سُرعتِ دوران کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن اگر وہ بہت بڑے ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ قلب کی حرکت بہت سریع ہے، اور اسپر زیادہ دباؤ پڑ رہا ہے، چھوٹے چھوٹے نشان چاند کے قلب کی ضعیف حرکت، کمزور دورانِ خون اور ضعفِ دماغ کی علامت ہیں۔ موت کے قریب پہلے انھیں نشانوں پر ہلکا نیلا رنگ آتاہے اور پھر سارا ناخن نیلا ہوکر سیاہی مائل ہوجاتا ہے

باقی .... باقی

کیا یہ کتابیں آپکے کتب خانہ میں نہیں ہیں

انقلاب فرانس۔ نہایت دلچسپ فرانسیسی ناول ۱۲ر اسرار نباتات فوائد نباتات کے سربستہ راز کا انکشاف ۱۲ر مشاطۂ سخن۔ مشہور شعرا کی اصلاحوں کا مجموعہ قیمت عہ

سیلاب خوں۔ واقعات غدر کا قابل دید افسانہ ۱۲ر دیوان غالب۔ مع شرح و مقدمہ از جناب آسی صاحب ۱۲ر مکاتیب محسن الملک۔ وقار الملک قیمت عہ

بزم خیال۔ شعرا فارسی و اردو کے مشہور لطائف عہ علم الاخلاق۔ مولوی سید کرامت حسین مرحوم کی بہترین تصنیف ۱۲ر سیاحت زمین۔ ۸۰ دن میں بے مثل فسانہ ۱۲ر

اسلام یا بالشویزم۔ نہایت دلچسپ فسانہ کی صورت میں عہ نازنین مراکش۔ دلچسپ تاریخی ناول قیمت ۸ر اجتماع ضدین اصلاح معاشرت فسانہ کی صورت میں ۸ر

مشاہیر نسواں۔ عبدالسلام کے مشہور خواتین کے حالات عہ اشاعت اسلام۔ اسلام پر محسن الملک کا بہترین رسالہ قیمت ۸ر نابینا علماء۔ مولانا شروانی کی مشہور کتاب ۸ر

احرار اسلام۔ مولانا ابوالکلام کا مشہور رسالہ ۵ر انشار نسواں۔ عورتوں کے لئے نہایت مفید کتاب ۸ر بیگمات بنگال ۸ر

علامۂ جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر کے چار نہایت مشہور عربی ناولوں کا ترجمہ

حجاج بن یوسف ۱۲ر عروس مصر عہ عبدالرحمٰن ناصر عہ امین بک ۱۲ر

منیجر "نگار" نظیر آباد لکھنؤ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر مقبول عام ہے

سرخ گلاب

(فسانہ)

۱

راجکماری اپنے باغ میں ایک ہرے بھرے سایہ دار پیڑ کے نیچے بیٹھی پھولوں اور موتیوں کا ہار گوندھ رہی ہے۔ راجکمار للچائی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"راجکماری یہ سندر جیمال تم کس کے لئے گوندھ رہی ہو"

"راجکمار یہ مالا اُسے ملیگا جو مجھے ایک سرخ گلاب لا دیگا"

یہ سنکر پھول کھلکھلائے۔ درختوں نے انگڑائی لی۔ پتے سرگوشیاں کرنے لگے۔ راجکمار اس کی یہ آرزو پوری کرنیکی اُمنگ میں وہاں سے چل دیا۔

۲

سرخ گلاب کا ملنا سہل نہیں تھا۔ راجکمار نے بہت ڈھونڈھا لیکن سارے باغ میں ایک بھی سُرخ گلاب نہیں تھا، مایوس ہوکر ایک مولسری کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا آدمی پیار کا بھوکا ہے لیکن اسے دنیا میں جسے کسی نے بھی پیار نہیں کیا اسکے دیکھتے ہوئے دل میں کیسی ٹیس ہوتی ہے اسے درد والے کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔

مولسری کے پیڑ کی پتوں میں سے بُلبُل نے راجکمار کی یہ حالت دیکھی اس کا دردمند دل آپ ہی آپ بھر آیا۔

راجکمار کی ناامیدی بدل گئی۔ آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کا رنگ اڑ گیا راجکمار نے کہا۔ اے دل آدمی کو خوشی کیسے ہو۔ ہم لوگ دکھاوٹی شان وشوکت سے صرف اپنی ر—— بیرونی محتاجی کو ڈھانک سکتے ہیں لیکن دل کی محتاجی ڈھانکی نہیں جاسکتی" بُلبُل سوچنے لگی یہ تو کوئی عاشق ہے میں رات رات بھر اُنھیں کی قسمت کا گانا گاتی ہوں چاند کی کرنیں انھیں کی قسمتوں سے کھیلتی ہیں چہرہ کتنا حسین ہے۔ بالوں میں کیسی چمک ہے اور ہونٹھ گلاب کی پنکھڑیوں کے سے۔ لیکن یہ رونا کیسا عشق اور ناامیدی کا ساتھ کیسے ممکن ہے۔

راجکمار نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ "کل راجکماری کی سالگرہ ہے۔ سُرخ گلاب مرے پاس کہاں جو میں وہاں جاسکوں کتنا بدنصیب ہوں۔ کہیں ایک بھی پھول نہیں مل سکا۔ اپنی قسمت کو رونے کے سوا کیا کرسکتا ہوں" یہ کہکر راجکمار رونے لگا۔

پیڑ کا ایک سبز پتا بولا "ہائے بیچارہ روتا کیوں ہے"

اُسی طرف سے ایک تیتلی جارہی تھی۔ اُس نے بھی کہا "ہاں سچ مچ بیچارہ کیوں روتا ہے پاس ہی ایک گیندے کا پھول تھا اُس نے بھی ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ کیوں روتا ہے اسے کچھ تکلیف ہے"

بُلبُل بولی یہ ایک سُرخ گلاب چاہتے ہیں۔

سب ایک ساتھ بول اُٹھے "تعجب ہے کہ ایک سُرخ گلاب کے لئے اتنا رونا" اسپر سب پھول کھلکھلا کر ہنس پڑے اور پتوں میں چپکے چپکے سرگوشیاں ہونے لگیں۔

صرف ایک بلبل نے راجکمار کی تکلیف کو جانا۔ اس نے سوچا "اتنے دنوں تک جو میں نے نغمۂ محبت گایا ہے اسی سے راجکمار کے دل میں درد اٹھا ہے" پھر ایک گلاب کے پھول کے پاس بیٹھ کر محبت کا یہ راز سوچنے لگی۔ یکایک اپنے چھوٹے چھوٹے پروں کو ہوا میں پھڑپھڑاتی ہوئی اس کنج سے سایہ کی طرح اڑ گئی۔

۳

باغ کے بیچ میں گلاب کا ایک خوبصورت پیڑ تھا۔ اُسی کی ایک ڈال پر بُلبُل جاکر بیٹھی۔ وہ بولی "بھائی تم مجھے ایک لال گلاب دوگے؟ میں تمھیں اپنا سب سے اچھا گانا سناؤنگی"

پیڑ سر ہلا کر بولا "میرا پھول سمندر کے جھاگ سے بھی بڑھکر سفید ہے اس کے لے جانے سے تمھارا کوئی کام نہیں نکل سکتا۔ وہ جو پرُانا پیڑ دیکھتی ہو اُسی کے پاس میرا بھائی ہے۔ اس سے شاید تمھیں کوئی لال گلاب مل سکے"

بلبل اڑتی ہوئی دوسرے گلاب کے پاس پہونچی اور بولی "بھائی ایک لال گلاب دو۔ میں تمھیں اپنا سب سے اچھا گانا سناؤنگی"

پیڑ نے سر ہلا کر کہا۔ میرا پھول کیسر سے بھی بڑھکر پیلا ہے۔ لیکن راجکمار کا جو وہ مکان دکھائی پڑتا ہے اُس کے پورب کیطرف جو کھڑکی ہے اُسکے پاس میرا ایک بھائی رہتا ہے۔ وہاں جانے سے شاید تمھیں لال گلاب مل سکتا ہے" بلبل اڑتی اڑتی کھڑکی کے پاس والے گلاب کے پیڑ کے پاس آئی اور بولی "بھائی ایک لال گلاب دے دو میں تمھیں اپنا سب سے اچھا گانا سناؤنگی"

پیڑ سر ہلا کر بولا "میرا پھول خون سے بھی بڑھکر سرخ ہے لیکن بہن اولوں کی وجہ سے میری رگ رگ سکڑ گئی ہے۔ کُہرے نے میری تمام کلیوں کا ناس کر دیا۔ آندھیوں نے میری تمام ڈالیوں کو جھکول ڈالا ہے۔ اس سال مجھ میں ایک بھی پھول نہیں آیا۔ یہ کہکر پیڑ رونے لگا۔

بلبل بولی "روتے کیوں ہو؟ رونے سے کیا کھوئی ہوئی چیز مل سکتی ہے؟ دیکھو بھائی کوشش کرنے سے اگر ایک بھی پھول مل جائے تو میرا کام چل جائیگا"

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کے عطر خریدنا چاہئیں۔

پیڑ بہت دیر تک چپ رہا۔ پھر بولا "ایک طریقہ ہے۔ لیکن وہ اتنا کٹھن ہے کہ مجھے تمھارے سامنے اُسے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی"

بلبل بولی "کہو کہو مجھے کچھ بھی ڈر نہیں"

پیڑ بولا "اگر لال گلاب چاہتی ہو تو چاندنی رات میں گانا گا کر اُسے پیدا کرنا ہوگا۔ اسے تمھیں اپنے دل کے خون سے لال کرنا ہوگا"

بلبل بولی "وہ کیسے"

پیڑ بولا "سنو بتلاتا ہوں۔ پہلے تمھیں میرے کانٹوں سے اپنا دل چھلنی کرنا ہوگا۔ ساری رات اس طرح تن من بھول کر گانا ہوگا کہ میرے کانٹے تمھارے بدن کو چھید ڈالیں لیکن تمھیں معلوم نہ ہو تمھارے دل کا خوں میری رگوں میں جانے سے سرخ گلاب کی خلقت ہوگی"

بلبل پہلے چونک اٹھی۔ پھر وہ دھیرے دھیرے بولی "لال گلاب کے لئے اگر مرنا بھی ہو تو وہ بھی مجھے قبول ہے کیونکہ یہ تو سمجھوں گی کہ اپنے ایک بھائی کا میں نے دل رکھا" یہ کہتے کہتے بلبل کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مشکل سے اپنی آواز سنبھالتے ہوئے بولی "زندگی کتنی پیاری چیز ہے" اور پھر اپنے چھوٹے چھوٹے پروں کو ہوا میں پھڑپھڑاتی ہوئی اوپر کو اڑ گئی۔

۴

راجکمار ابھی اسی جگہ گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے آنسو ابتک نہیں سوکھے تھے۔

بلبل پاس آکر بولی "بھائی مت روؤ۔ میں تمھیں لال گلاب لادونگی۔ چاند کی روشنی میں اُسے پیدا کرونگی۔ دل کے خون سے اسے لال کروں گی"

راجکمار اٹھ بیٹھا۔ لیکن یہ نہ سمجھا کہ بلبل کہتی کیا ہے۔ مولسری کے پیڑ نے بھی سنا۔ اُس کے دل کو بڑی چوٹ لگی بلبل اسی کی ڈالوں پر گھونسلہ بنا کر رہتی تھی۔ رات کو اُس کا گانا سنکر مولسری کے پیڑ نے کتنی راتیں بے نیند کے کاٹی تھیں۔

مولسری بولی "اے بلبل تمھارا جانا میری ساری خوشیوں کا چلا جانا ہے تمھارے چلے جانے پر میں کیسے رہونگی"

پیڑ کے ہرے پتے کانپ اُٹھے اور گھبرا کر کہنے لگے "بلبل تم نے دل میں یہ کیا ٹھانی ہے"

تیتلی کچھ دیر کے لئے اپنے پر سمیٹ کر بیٹھی رہ گئی پھر یہ کہتی ہوئی "یہ باتیں ہماری سمجھ کے باہر ہیں" اُڑ کر دور جا بیٹھی۔

گیندا بولا "دوسرے کی بپت دور کرنے کے لئے خود مٹ جانا یہ کیا بات ہے" پھول پھر کھلکھلا کر ہنس پڑے سب نے ملکر کہا۔

"بلبل تم جاتی ہو اپنا آخری گانا ہمیں سناتی جاؤ"

بہترین عطر منگانے کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

بلبل گانے لگی۔ اس کی درد بھری آواز چاروں طرف پھیل گئی۔ سننے والوں پر سناٹا چھا گیا۔ یہ ہوش بھی نہ رہا کہ گانا کب بند ہوا۔

۔۔۔۔۔۵۔۔۔۔۔

چاند نکل آیا بلبل نے گلاب کے پیڑ پر جا کر اُس کے کانٹوں سے اپنا جسم بندھوا لیا گانا شروع کیا جسکے تیکھے درد کو دیکھکر چاند اپنجھے میں رہگیا۔ بلبل جتنی بڑھتی ہوئی امنگ سے گانا گاتی تھی اتنا ہی اس کا بدن کانٹوں میں بندھتا جاتا تھا۔

پہلے اُس نے عشق کی پیدائش کا گیت گایا۔ پیڑ کی ڈالی پر ایک عجیب وغریب پھول کھل اُٹھا گیتوں کا ایک تار بندھ گیا۔ ادھر پنکھڑی پر پنکھڑی کھلتی جاتی تھی رات بیتی جاتی تھی۔ پیڑ نے متردد ہو کر کہا "بلبل میرے کانٹوں پر اپنا دل دبائے رہو نہیں تو پھول کے پوری طرح کھلنے کے پہلے ہی سویرا ہو جائے گا"

بلبل نے ایسا ہی کیا۔ اُس کی آواز اور بھی تیز ہوتی گئی۔ اُس نے اب عشق کے شباب کا گانا گایا۔ یکایک گلاب کی پنکھڑیوں سے سرخی جھلکنے لگی۔ کانٹا ابتک بلبل کے دل تک نہیں پہونچا تھا گلاب کے اندر بھی ابھی کچھ سفیدی باقی رہ گئی تھی۔

پیڑ چلا کر بولا "بلبل جلد اپنا دل میرے کانٹوں میں پوری طرح بندھوا لو نہیں تو پھول پورا کھلنے کے پہلے ہی سویرا ہو جائیگا"

بلبل نے ایسا ہی کیا۔ ایک نہایت درد بھری آواز نہ اُٹھی چاروں طرف وہ دکھ بھری آواز گونج اٹھی کانٹوں نے اُسکے دل کو چھلنی کر دیا۔ اسیوقت گلاب کا پھول ایک پل میں ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح لال ہو گیا۔

بلبل کی آواز دھیمی ہوتی گئی۔ وہ درد کے مارے تلملا اٹھی۔ آنکھیں مند گییں آواز دھیمی ہوتے ہوتے بند ہو گئی پیڑ بولا "بلبل دیکھو سرخ گلاب پورا کھل گیا" بلبل نے کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ کلیجے میں کانٹا بندھ گیا تھا اور وہ اسوقت پیڑ کے نیچے مری پڑی تھی۔

۔۔۔۔۔۶۔۔۔۔۔

سویرا ہوا۔ راجکمار نے کھڑکی کھولی۔ سامنے ہی انھیں وہ پھول دکھائی دیا۔ خوشی سے متوالا ہو کر وہ نیچے آیا اور ہاتھ بڑھا کر اسے توڑ لیا۔ زمین کی طرف نظر ڈال کر اتنا دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا کہ کسی جان کے بدلے میں اسے یہ انمول چیز ملی تھی راجکمار پھول پاتے ہی راجکماری کے پاس گیا اور کہنے لگا "یہ لو تمہارا سرخ گلاب میں لے آیا۔ ایسا لال پھول زمین کے پردے میں کبھی نہیں کھلا ہوگا"

یہ سن کر راجکماری نے اپنا منھ پھیر لیا۔ وہ ابھی جیمال شام ہی کو توڑ چکی تھی۔

بولی "راجکمار اُسے لے جاؤ۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں"

راجکمار نے غصے میں پھول کو راہ میں پھینک دیا۔ ایک گاڑی ادھر سے آتی تھی اُس کا پہیا پھول کو کچلتا ہوا نکل گیا۔

راجکماری نے کہا "راجکمار تم نکمے اور احسان فراموش ہو۔ تم محسن کش ہو"

یہ کہکر راجکماری وہاں سے چلی گئی۔

فراق (گورکھپوری)

اندلسیات

یعنی تاریخ اندلس و ہسپانیہ کا بیمثل سلسلہ

اخبار الاندلس تین ضخیم جلدوں میں۔ جلد اول میں مسلمانوں کی فتح و عروج دوسری جلد میں انحطاط اور تیسری جلد میں انکی علمی ادبی ترقیوں کی نہایت دلچسپ و بسیط تاریخ ضبط کی گئی ہے قیمت علی الترتیب عنه؍ شے؍ ہنعہ؍ مکمل سٹ عنه؍ علاوہ محصول

مولدین اُن مسلمانوں کی دردناک تاریخ جو اسپین میں زوال سلطنت اسلامی کے بعد باقی رہگئے تھے قیمت مع محصول ڈاک ے؍

خلافت موحدین یعنی علامہ عبدالواحد المراکشی کی مشہور نادر تصنیف "المعجب فی تلخیص اخبار المغرب" کا بیمثل ترجمہ صقیلہ (سسلی) کی حکومت اسلام پر اردو میں پہلی کتاب قیمت للعہ؍ علاوہ محصول ڈاک۔

تاریخ مغرب یعنی علامہ المراکشی کی کتاب "بیان المغرب" کا ترجمہ اور تاریخ مغرب پر بیمثل کتاب قیمت ے مع محصول ڈاک۔

ترتیب القرآن قرآن کی جمع و ترتیب کی تاریخ قیمت ۲؍

مختصر تاریخ اسلامی تین حصوں میں حصۂ اول میں حضور سرور کائنات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں خلافت راشدہ اور تیسرے میں خلافت بنی امیہ کی تاریخ ہے۔ قیمت ۸؍ ۹؍ ۱۰؍ منیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

بھاگلپوری ٹسری ریشمی صافے

ٹسری اور ریشمی صافے یا تھان برائے کوٹ، قمیص، شیروانی، اعلیٰ درجے کے درکار ہیں تو ہمارے یہاں سے منگاکر استعمال میں لائیے المشتہر۔ مولوی کبیر احمد خاں برادرز بھاگلپور سٹی

ضرورت ہے

اگر آپ کو خیمے۔ دریاں اور چرمی ساماں کی ضرورت ہو تو فوراً ہمیں ایک کارڈ لکھئے۔ ہمارے یہاں ہر قسم کا ساماں نہایت ارزاں ملتا ہے فہرست منگاکر ملاحظہ فرمائیے ہمارا کارخانہ صداقت کیوجہ سے بہت مشہور ہے۔ محمد حسین اینڈ کو ٹنٹ مرچنٹ فتح گڑھ۔ یو۔ پی۔

مشکی زردہ صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

ہمایوں شہنشاہ ہندوستان

(بہ سلسلۂ ماسبق)

شاہزادہ کامران ترشرو اور سنگدل تھا اگرچہ بہادر اور من چلا ضرور تھا وہ اپنے عہدہ داروں کے دلوں میں اپنی کوئی پایدار محبت نہ پیدا کر سکا بلکہ بظاہر کسی سے بھی اس کو خلوص نہ تھا بجز اپنی بدنصیب بی بی کے جو جلاوطنی میں بھی اسکی رفیق رہی۔ وہ اپنے باپ سے کہتی ہے "تم نے مجھے شوہر کے حوالہ اسوقت کر دیا جبکہ وہ بادشاہ تھا اور اسے ہر قسم کی شادمانی حاصل تھی اور اب اس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو جبکہ اس کا زمانہ بگڑ گیا ہے، انکھوں سے معذور اور مصیبت زدہ ہوگیا ہے نہیں میں وفاداری کے ساتھ وہ جہاں بھی جاے اُس کی خدمت گذاری کرونگی"۔

محاصرہ کابل کے وقت اس نے ہمایوں کے ایک افسر کے تین جوان بیٹوں کو قتل کر دیا اور مقتولین کے جسم کا قیمہ کر کے دیوار پر سے محاصرہ کرنے والوں میں پھنکوا دیا۔ اور اسی افسر کی بی بی کو ہجوم کے حوالہ کر دیا کہ بے عزت کیجاے اس قسم کی حرکات نہ صرف خود ہی سخت بے دردانہ اور مذموم تھیں بلکہ وہ کلیتاً جنگ کے رواج کے بھی خلاف تھیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ بادشاہ باوجود بیشمار سازشوں اور بغاوتوں کے کامران اور اپنے جملہ بھائیوں کیساتھ خالص محبت رکھتا تھا۔

کامران جسنے کئی بار اطاعت کا اظہار کیا ایک مرتبہ جب وہ اس غرض سے تخت شاہی کے سامنے خود حاضر ہوا تو نہایت عاجزانہ طور پر گردن میں ایک تازیانہ لٹکا کر آیا بادشاہ نے فرمایا "حیف حیف! اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے پھینکدو" اور جیون ہی کہ قدمبوسی کی رسم ادا ہوگئی بادشاہ نے بآواز بلند فرمایا "آنچہ گزشت گزشت" یہاں تک تو رسم کی پابندی تھی۔ آؤ اب ہم بھائیوں کی طرح ملیں"۔

آبدیدہ ہو کر بھائی کو بغلگیر کیا اور اپنے قریب عزت اور احترام کیساتھ بٹھایا اور پھر تھوڑی دیر میں اس سے ترکی زبان میں (تیموری دو نسلوں تک خانگی زبان تھی) کہا آؤ "میرے قریب بیٹھو" گویا وہ پھر چھوٹے بچے بن گئے۔

جب شاہزادہ ہندال، افغانوں کے ساتھ سے جو کامران کے زیر فرمان تھے مارا گیا بادشاہ کا خیمہ ہندال کے خیمہ سے اوپر ایک پہاڑی پر تھا۔ لڑائی ختم ہوجانے کے بعد ہمایوں نے اپنے بھائی کا حال دریافت کیا لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس سے کہے کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ بادشاہ نے خود اس چھوٹی پہاڑی پر تاریکی میں کھڑے ہو کر زور سے ہندال

ہر قسم کے عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

کو آواز دی اور دو مختلف قاصد اس کی تلاش میں روانہ کئے اور جب نتیجہ کار اُسے بھائی کی قسمت کا فیصلہ سنایا گیا تو اسپر کوہ الم ٹوٹ گیا اور خیمہ میں جاکر تنہا پڑ رہا - ایک معزز امیر نے اسے روتا پاکر وجہ دریافت کی تو کہا "کیا تم نے میرزا ہندال[1] کی شہادت کا واقعہ نہیں سنا؟ اس امیر نے نہایت بے باکی سے معقول جواب دیا "حضور رو الا تو خود اپنے ہی نفع پر غمزدہ ہیں - آپ کا ایک دشمن اور کم ہوگیا" اور یہ فی الحقیقت سچ تھا -

شاہزادہ کامران کی اس آخری بغاوت اور محاصرہ کابل کیوقت اسکے تکلیف دہ طرز عمل نے یہ بات ثابت کردی کہ اب وہ کسی قسم کے رحم کا مستحق نہیں ہے - اور یہ کہ سلطنت کی سلامتی اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ قتل کردیا جائے - بادشاہ کے جملہ مشیروں نے یک زبان ہوکر یہی رائے دی اور باقاعدہ ایک محضر لکھکر جسمیں اسکی شکایات درج تھیں پیش کیا اور دادخواہی کی لیکن شہنشاہ کچھ تو اپنے مفسد اور دغاباز بھائی کی محبت کیوجہ سے اور کچھ اس وعدہ کے یاد آجانے سے جو اس نے اپنے باپ سے

---

[1] میرزا ہندال سنہ ۹۲۳ھ کو تولد ہوا تاریخ ولادت یہ ہے ع چیست دانی سال تاریخ شہ فرخندہ فال + کوکب برج شہنشاہی بود تاریخ سال - یہ واقعہ موضع خبر میں ہوا تھا جو کابل کے ماتحت تھا - تاریخ وفات یہ ہے ع ہندال محمد شہ فرخندہ لقب + ناگہ ز قضا شہید شد در دل شب + شبخوں بشہادتش چو کرد م سبب تاریخ شہادتش ز شبخون بطلب - مولانا میرزا امانی نے بطور تعمیہ یہ تاریخ لکھی ہے ع شاہ ہندال سرو گلشن ناز + چون ازین بوستان دولت رفت + عالمی را بیاد سرو قدش + بر فلک دود آہ حسرت رفت + گفت تاریخ قمری نالاں + سروے از بوستان دولت رفت - (بوستان کا الف دور کرنے سے تاریخ نکلتی ہے) -

الفنسٹن صاحب نے اس واقعہ کو ہمایوں کی سرگزشتوں کے مصنف کے حوالہ سے بالتفصیل لکھتے وقت یہ رائے لکھی ہے غالب یہ ہے کہ واقعۂ مذکورہ کے واقع ہونے سے انشراح خاطر کے نسبت انقباض اسکو زیادہ حاصل ہوا ہوگا اور جن صورتوں میں یہ کام اس سے صادر ہوا ان خاص صورتوں کے لحاظ و حیثیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے طبیعت کی خواہش سے نہیں کیا بلکہ خاص صورتوں کی ضرورت سے وہ اُسکا مرتکب ہوا اور کوئی بات اسکو اسکے سوا نہ سوجھی کہ وہ بھائی کو اندھا کرے اور اُسکے کھٹکوں سے ہمیشہ کے لئے مطمئن ہوکر بیٹھے اس لئے کہ وہ حقیقت میں ستمگار اور ناخدا ترس نہ تھا بلکہ اگر وہ یورپ کا ایسا بادشاہ ہوتا جسکے اختیار یکقلم محدود و معین ہوتے ہیں تو چارلس ثانی شاہ انگلستان سے زیادہ سفاک و خونریز اور مکار و فریب انگیز نہ ہوتا - گلبدن بیگم اپنی کتاب ہمایوں نامہ کے صفحہ ۰۰ میں لکھتی ہیں "عاقبت الامر جمیع خوانان و سلاطین و وضیع و شریف و صغیر و کبیر و سپاہی و رعیت وغیرہ که از دست میرزا کامران داغہا داشتند دران مجلس متفق شدہ بعرض حضرت پادشاہ رسانیدند کہ در بادشاہی و تحکم رسم برادری منظور نمی باشد - اگر خاطر برادری می خواہید ترک پادشاہی بکنید و اگر بادشاہی میخواہید ترک برادری بکنید و این ہمایوں میرزا کامران است از سبب او در دشت قپچاق بسر مبارک ایشان چہ نوع زخم رسیدہ بود و بہ افغان بکرو قریب دہ یکی شد و متفق شدہ میرزا ہندال را گشت و اکثر چغتائی از سبب میرزا نابود شدہ و اہل و عیال مردم بہ بند رفت و بے ناموس شد - دیگر ہا بر جنتم جان و مال و اہل و عیال مایان ہمہ تصدق یکتار موی حضرت این برادر نیست این دشمن حضرت است سخن مختصر کہ ہمہ جمع شدہ بہ اتفاق بجد شدہ بعرض رسانیدند کہ ع رخنہ گر ملک سر افگندہ بہ - حضرت بادشاہ درجواب فرمودند کہ اگر این سخنان شمایان خاطر نشان من می کنند اما دل من نمی شود - ہمہ فریاد بر آوردند و گفتند کہ آنچہ بعرض رسانید شدہ است عین مصلحت است - آخر الامر حضرت فرمودند کہ اگر مصلحت و رضامندی ہمہ شمایان درین است - پس ہمہ شمایان جمع شوید محضری نویسید - (یہاں پر کتاب ختم ہوجاتی ہے) مترجم

مرتے وقت کیا تھا راضی نہ ہوتا تھا۔ کامران سخت قید میں رکھا گیا۔ اور دوسرے دن صبح کو حکم دیا گیا کہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دیجائے تاکہ وہ آنکھوں سے اندھا ہو جائے لیکن اس کی جان کو نقصان نہ پہونچے۔ صرف اسی طور پر وہ ایذا رسانی سے باز رہ سکا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۵۳ء کا ہے جس سے قبل کامران کم و بیش متواتر بغاوتوں میں ۲۳ برس تک مصروف رہ چکا تھا بادشاہ کا حکم صادر ہوتے ہی تعمیل کی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد کامران نے ملاقات کی درخواست کی: "آدھی رات کو شہنشاہ شمع کی روشنی میں پانچ یا چھ معزز آدمیوں کو ساتھ لئے کامران کے خیمہ میں داخل ہوا"۔ ہمایوں بیٹھ گیا اور جیوں ہی کہ نابینا میرزا کو اندر لائے بادشاہ بآواز رو دیا۔ اس نے خدا کو شاہد گردان کر کہا کہ میری خواہش کے مطابق کس قدر کم واقعات پیش آئے اور کس طرح پر صدق دل سے میں اپنے بھائی کی تکالیف کو محسوس کر رہا ہوں۔ میرزا نے دریافت کیا کہ اور کون کون خیمہ میں ہے۔ کہا گیا کہ میر تردی بیگ، منعم بیگ، بابوس بیگ (جنکے بیٹوں کو اسنے قتل کیا تھا) اور چند دیگر امرا اسپر اُسنے ان سبھوں کو مخاطب کیا اور کہا، تم سب گواہ رہو کہ جو کچھ مجھپر گزرا یہ سب میری ہی بد اعمالی و گناہوں کا نتیجہ ہے۔ ہمایوں کے دل پر اس کا بہت بڑا اثر پڑا اور اس منظر کا خاتمہ کرنا چاہا اور رنج و غم کی وجہ سے رکتی ہوئی آواز اور کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا:-

اب ہم کو فاتحہ پڑھنا چاہیئے[۱] اُسکے بعد میرزا نے نہایت لجاجت سے بادشاہ سے اپنے لڑکوں کو خاص نگرانی میں رکھنے کی سفارش کی بادشاہ نے کہا آپ اس سے مطمئن رہئے وہ خاص میرے بچے ہیں[۲]"

بادشاہ کے لئے عہد حکومت کے آغاز ہی میں ممکن تھا کہ وہ اپنے خاص بھائیوں کے دغا سے بخوف ہو کر میدان جنگ میں مقابلہ پر آتا۔ غیر ملک کے مورخین اسکے ابتدائی ناکامیابی کا سبب اس کی تلون مزاجی اور طبیعت کی کمزوری قرار دیتے ہیں مورخین کے بیانات سے یہ بات میرے نزدیک صاف ہو جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے باپ کی اس نصیحت پر کاربند نہ ہوتا کہ اپنے رقیب بھائیوں کیساتھ شفقت کا برتاؤ کرے۔ اگر ویسا ہی کرتا جیسا کہ اس کے جانشینوں نے کیا۔ اگر وہ ان کو فوراً قتل کروا دیتا تو وہ شاید ایک کامیاب فرمانروا کہلایا جاتا۔

اگرچہ اس طور پر وہ بھائیوں کے حق میں شاید بیرحم سمجھا جاتا لیکن اور باقی دنیا کے حق میں ضرور رحمدل ثابت ہوتا وہ اکثر مہربانی کی حد سے بھی گزر کر بلند خیال اور کشادہ دل ثابت ہوا ہے۔

---

[۱] قرآن کی سورۂ اول۔ دعا جس کے الفاظ یہ ہیں:- الحمد للہ رب العالمین۔ سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ الرحمٰن الرحیم بہت مہربان نہایت رحم والا۔ مالک یوم الدین۔ مالک انصاف کے دن کا۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہیں۔ اہدنا الصراط المستقیم۔ چلا ہم کو سیدھی راہ۔ صراط الذین انعمت علیہم۔ راہ اُنکی جنپر تو نے فضل کیا۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین نہ جنپر غصہ ہوا اور نہ بھٹکنے والے۔ (مصنف)

[۲] ارسکین صاحب کی تاریخ ہمایوں باب سوم جلد پنجم کا خلاصہ۔ (مصنف)

سیف خاں ایک مرتبہ آدھے دن تک ہمایوں کی کل فوج کو روکے رہا جبکہ اس کا آقا شیر خاں پہاڑ کی تنگ راہ سے چھپ کر بھاگ رہا تھا۔ آخر کار اسے گرفتار کرکے شہنشاہ کے سامنے لائے اس کے جسم میں تین جگہ زخم لگے تھے جنسے خون جاری تھا اور موت کا انتظار کر رہا تھا۔ شہنشاہ نے کہا "ایک سپاہی کے لئے یہی شایاں ہے جسکو اپنے آقا کی خیر خواہی میں اپنی جان تک نثار کر دینی چاہیئے۔ میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ جہاں تمھارا جی چاہے چلے جاؤ۔ سیف خان نے عرض کیا "میرا خاندان شیر خاں کے ہمراہ ہے میں اسی کے پاس جانا چاہتا ہوں"

شیر خاں اسوقت مغلوں کے حق میں ایک کانٹا تھا۔ لیکن ہمایوں نے کچھ بھی پس و پیش نہیں کیا اور کہا "میں نے تمھاری جان بخشی کی ہے۔ جیسا چاہو کرو"

ہمایوں کی عادات میں ان مشہور افسانوں کا بھی شعبہ پایا جاتا تھا جو خلفا کے جانب منسوب کئے جاتے ہیں جو کہ شعرا کو ان کے کلام کے صلہ میں اور مطربوں کو اُن کے گانے کے عوض مورد عنایت کرتے اور ان سے کہتے "مانگو کیا چاہتے ہو"

ذیل کا واقعہ جو اس کے باپ کے زمانہ میں پیش آیا ایک عمدہ مثال قدر دانی علم اور ایسی باتوں کی طرف میلان کا ہے جو افسانوں میں مذکور ہوتی ہیں اور یہ ایشیائی طبیعت کا جزو ہیں۔ ایک شہر پر قبضہ کرکے سپاہیوں نے ہر جگہ سونا چاندی اور مال غنیمت تلاش کیا۔ مولانا سعد اللہ فرماتے ہیں کہ "تین شخص میرے مکان میں گھس آئے اور میرے باپ کو پکڑا (جنسے علوم کی تحصیل اور تعلیم میں ۶۵ برس صرف کئے تھے اور بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے) اور قید کر لیا۔ اور لوگ آئے اُنھوں نے مجھے باندھ لیا اور میرزا (شاہ حسین) کی خدمت میں بطور تحفہ کے بھیجدیا۔ وزیر ایک چبوترہ پر بیٹھا ہوا تھا جب میں اس کے مکان پر پہونچا اُسنے ایک زنجیر میں باندھے جانے کا حکم دیا جس کا ایک سرا چبوترہ پر بندھا ہوا تھا۔ مجھے اپنے لئے کچھ رنج و افسوس نہ معلوم ہوتا تھا لیکن اپنے باپ کی اس تکلیف دہ حالت پر زار زار رو رہا تھا" وزیر نے قلم دوات منگایا اور اپنا قلم بنایا کہ کچھ لکھے اتنے میں اسے کسی نے بلا لیا۔ اب وہاں سوا سعد اللہ قیدی کے اور کوئی نہ رہگیا۔ وہ کہتے ہیں میں چبوترہ کے قریب گیا اور جس کاغذ پر وزیر لکھنا چاہتا تھا اسی پر میں نے یہ اشعار لکھدئے ~~ مطلب "کیا آپ کی آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں کہ میں رو رہا ہوں اور اسپر بھی آپ ہرگز نہیں فرماتے، اب نہ روؤ۔ اور کیا آپ کا دل آپ کو کبھی یہ اشارہ نہیں کرتا کہ آپ مجھپر ترس کھائیں؟

وزیر نے آکر اس قطعہ کو پڑھا اور شاعر کو آزاد کر دیا اور خود اپنی پوشاک اُسے پہنادی اور میرزا کے پاس لیجا کر اسکی تقریب ملاقات کی جسنے سعد اللہ کے باپ کو چھوڑ دیا۔ دونوں قیدیوں کا اسباب انھیں واپس دیکر بہت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

موجودہ صورت میں ہر بات ہندوستان کے دوبارہ فتحیابی کے لئے مفید تھی ۱۵۵۵ء میں بادشاہ کابل سے پندرہ ہزار سواروں کی جماعت لیکر روانہ ہوا۔ پنجاب پر حملہ کرکے افغانوں کے ہاتھ سے لاہور چھین لیا۔ اور دہلی و آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات نے جسمیں کہ شاہزادہ اکبر کی کوششوں کا حصہ بھی شامل تھا ہندوستان کے قبضہ کو مستحکم بنادیا۔

دہلی میں داخل ہونے کے چھ ماہ بعد ۱۵۵۶ء میں وہ زینہ پر سے گر کر راہیِ ملکِ بقا ہوا، اور اکبر (جسکی عمر اسوقت تیرہ برس کی تھی) اسکے بجائے تخت پر بیٹھا۔

اس آخری حملہ میں ہمایوں نے عہد کیا تھا کہ اگر خدا نے ہندوستان کی سلطنت پھر اسے واپس دی تو وہ ہرگز کسی مسلمان کو غلام نہ بنائے گا۔ وہ افغانوں کے خلاف جو مسلمان تھے لڑ رہا تھا اور تیمور تاتاری کے طریقہ پر ان کے سروں کا مینار بنانے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔ لیکن انھیں غلام نہیں بنایا۔ سینٹ بارتھولومو کے قتل سے سترہ برس قبل یہ آخری مینار انسانی سروں کا چنا گیا۔

؎ ہمایوں قلعہ دین پناہ میں کتاب خانہ کی چھت پر چڑھ رہا تھا اترتے وقت اذان کی آواز آئی۔ ہمایوں اذان کی تعظیم کیلئے زمین میں بیٹھ گیا۔ اُٹھتے وقت عصا پھسلا اس کے سبب سے وہ کئی زینوں کی سیڑھیوں پر لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گرا۔ جب کچھ آرام ہوا تو تاریخ چوتی کی پیشکش کے واسطے شاہزادہ اکبر کے پاس پنجاب میں نذر بھیجی اور حقیقت حال سے مطلع کیا آخر پندرھویں تاریخ کو اس عالم فانی سے انتقال کیا اسکے مرنے کی تاریخ ہے ؎ چو گشت از رحمتِ حق ساکن اندر روضۂ رضوان + بہشت آمد مقامِ پاک او تاریخ از ان باشد اور مولانا قاسم نے یہ تاریخ لکھی ہے ؎ ہمایوں بادشاہ ملک معنی + ندارد کس چو او شاہنشہی یاد + ز بام قصر خود افتاد ناگہ + دراں عمر عزیزش رفت برباد + پے تاریخ او کاہی رقم زد + ہمایوں بادشاہ از بام افتاد + اور ایک تاریخ یہ ہے ؎ مشو غافل از سال فوتش ببین ہمایوں کجا رفت و اقبال او۔ اور ایک تاریخ یہ ہے۔ ع۔ اے آہ بادشاہ من از بام افتاد + مولانا قاسم کاہی نے یہ ایک اور تاریخ وفات لکھی ہے اگرچہ ایک عدد اسمیں کم آتا ہے لیکن تاریخ خوب ہے ؎ ہمایوں بادشاہ آن شاہ عادل + کہ فیض خاص او بر عام افتاد + بنای دولتش چون یافت رفعت + اساس عمرش از انجام افتاد + چو خورشید جہان تاب از بلندی + بپایان در نماز شام افتاد جہان تاریک شد در چشم مردم خلل در کار خاص و عام افتاد + قضا از بہر تاریخش رقم زد + ہمایون بادشاہ از بام افتاد + مسعود حصاری نے یہ مصرعہ کہا ہے۔ ع۔ واصل حق شد ہمایوں بادشاہ۔ میر عبدالحئی کا یہ مصرع ہے گودای بادشاہ من از بام افتاد۔

؎ چارلس نہم اور اسکی ماں کیتھراین دی میڈسی کے فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کا قتل عام جو پیرس میں سینٹ بارتھولو کی شہادت کی تاریخ کو ۱۵۷۲ء میں شروع ہوا اور تمامی فرانس میں جاری ہوگیا اور خاص خاص صوبوں میں تیس روز تک برابر قائم رہا تیس ہزار پروٹسٹنٹ قتل کئے گئے تھے۔

ہندوستان کی دوبارہ فتحیابی میں پہلی لڑائی کا خاتمہ عظیم الشان کامیابی پر ہوا لیکن اس سے ہمایوں کی متانت اور صلاحیت مزاج میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اسکا قول تھا کہ میں نے ہمیشہ ان تین اصولوں پر پابند رہنے کی کوشش کی ہے اول ہر ارادہ اور منصوبہ میں نیت درست رکھنا اور راستبازی اختیار کرنا، دوسرے کام میں انتہائی کوشش اور پورا زور صرف کر دینا تیسرے فتح و کامیابی کی حالت میں متانت، اعتدال اور تحمل اختیار کرنا اور یہ کہ ہر عزت کا مستحق وہی احکم الحاکمین ہے وہی عزت کا دینے والا ہے۔ آدمی کا کوئی کمال نہیں ہے[1]۔

بادشاہوں کے خواب و خیال کے متعلق جو انکی سرگزشتوں میں بیان کئے گئے ہیں ایک عجیب و غریب مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ ان دقیق مصنوعی خوابوں کو برطرف کرکے "میں نے دیکھا کہ ایک عقاب آسمان سے اترا اور ایک فاختہ کو نگل گیا ایسے خواب بادشاہ اپنے دربار میں بیان کرتا تاکہ منجم اسکی یہی تعبیر کریں کہ عقاب سے مراد خود بادشاہ ہے اور اسکا دشمن فاختہ کی مثال ہے[2]۔ ان سب کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی ہمارے لئے ایک معقول تعداد میں بظاہر اصلی خواب باقی رہجاتے ہیں۔

بابر نے جو اپنا خواب پھولوں کے باغ کے متعلق بیان کیا ہے ہمیں اسے بالکل اصلی خیال کرنا چاہئے جسے وہ سالہا سال بعد بھی نہایت مسرت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کیسی دلچسپ روشنی اس سے اسکے خیالات پر پڑتی ہے، تیمور کی سرگزشتوں میں بہت قصے خوابوں کے درج ہیں جنکی تعبیر عام لوگوں میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن ایک واقعہ مجھے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس سے بادشاہ کی باطن کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنی جہاد کا جو (مئی سنہ ۱۲۹۸ء میں) قاتور کے کافروں پر کیا گیا تھا، مفصل حال بیان کرتا ہے۔ کئی دنوں کی سخت لڑائی اور پہاڑی میں حد سے زیادہ تھکاوٹ کے بعد تیمور سونے کے بعد خواب دیکھتا ہے کہ "میری تلوار خمیدہ ہوگئی ہے" اور جب وہ جاگتا ہے تو حسب معمول اس خواب کی تعبیر دریافت کیجاتی ہے معبرنے یہ تعبیر کی کہ یہ برہان افغان کی شکست کھانے کی یقینی علامت ہے" اور درحقیقت اسکو شکست ہوئی۔ لیکن میرے خیال میں بظاہر یہ خواب بذاتہ سچا تھا نہ کہ مصنوعی جس سے اس خیال کی شہرت مقصود ہو کہ تیمور کو الہام ہوا یہ گو خفیف بات ہے لیکن روحانی طاقت کی اصلی مثال ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری تلوار خمیدہ ہوگئی ہے"

ہمایوں نے بھی بہت سے خواب دیکھے جو اس کے حسب حال تھے اور ملکی معاملات سے تعلق رکھتے تھے اور جن کی تعبیر اُسکے

[1] ابوالفضل کے الفاظ یہ ہیں "اول نیت درست بہم میرسد، ثانیاً کوشش در کار تریں حال او میشود ثالثاً با وجود ظہور کارہای شائستہ نسبت آنرا بخود ردا نمیدارد و کار گر را خبر دادا و دگر نمی شناسد۔

[2] ایسے ہی جیسے کہ مثلاً سکندر اعظم کی ماں الیمپس کا خواب جو اُسنے سکندر کی پیدائش سے قبل دیکھا تھا۔ مصنف

دیوان غالب اردو۔ پاکٹ سائز لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت صرف ۱۰ر۔ (منیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ)

ہر قسم کا عطر صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

حق میں مفید بیان کیجاتی ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے اسے ہاتف غیبی نے خواب میں موت کی خبر سے ہوشیار کردیا تھا۔ وہ خود کہتا ہے "میں آدھی رات کے بعد ذرا دیر میں معمولاً نماز پڑھنے کو اوٹھا اور پھر دوبارہ آرام کرنے لگا ٹھیک علی الصباح میں بیٹھا ہوا تھا میری آنکھیں بند تھیں مگر دل بیدار تھا۔ میں نے ایک غیبی آواز بار بار یہ شعر پڑھتے سنی[۵۱] ؎

یارب بکمال لطف خاصم گرداں — دیوانۂ خود خواں و خلاصم گرداں

وہ نہایت دلی جوش اور اضطراب کیساتھ اس شعر کو بار بار پڑھتا تھا اور بہت دن نہ گزرنے پائے تھے کہ اچانک ایک صدمہ سے اس کا انتقال ہوگیا۔

نظام الدین[۵۲] محمد بابر اور ہمایوں کے دربار کے ایک مخصوص امیر کا بیٹا تھا۔ اسکی تاریخ بہت مکمل و مستند ہے اور بادشاہ کی نسبت اسکی رائے کم سے کم ایک دانشمند اور محقق کی رائے سمجھی جاسکتی ہے جسے اپنا خیال قائم کرنے کے لئے بہت کافی موقع حاصل تھا۔ بادشاہ کی معمولی چند صفات کو جو اسنے بیان کئے ہیں چھوڑ کر کوئی وجہ اسکے بیان کی صداقت پر شبہہ کرنے کی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے "ہمایوں نے پچیس برس سے زیادہ سلطنت کی اور جب اُسنے انتقال کیا ہے اسکی عمر ۵۱ برس کی تھی۔ اسکی ذات تمامی کمالات انسانی سے آراستہ تھی۔ وہ شجاعت و مردانگی میں جملہ ہمعصر سلاطین سے ممتاز تھا۔ ہندوستان کی ساری دولت اسکی بخشش کے لئے کافی نہ ہوتی۔ علم نجوم و ریاضی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور عمدہ اشعار کہتا تھا۔ اس زمانہ کے علما و فضلا و اکابر اسکی صحبت میں شریک ہوتے تھے اور گفتگو میں ساری رات گزار دیتے تھے لایق اور مستحقین اسکے عہد میں اسکے لطف و کرم سے استفادہ کرتے تھے اسکی مروت و رعایت ایسی تھی کہ میرزا کامران کو باوجود اسکی مکر و باغیانہ حرکت کے جبکہ وہ گرفتار ہوگیا اور اسکے قابو میں آگیا معاف کردیا۔ وہ دیندار تھا اور مذہبی ارکان کا سرگرمی کے ساتھ پابند۔"

اُسکی تھکا دینے والی "غیر مستقل" رائے کا ظہور خاص طور پر اسکے اوایل زمانہ حکومت میں اور اس کے بعد صرف صلاح و مشورہ کے موقعوں پر ہوا۔ وہ میدان جنگ میں ہمیشہ چست و چالاک اور دلیر ثابت ہوا جیساکہ امیر تیمور کی اولاد کو ہونا چاہئے تھا

---

۵۱ مصنف کتاب نے دوسرا اور تیسرا مصرع متروک کردیا ہے رباعی یوں ہے ؎ یارب بکمال لطف خاصم گرداں + واقف بحقایق خواصم گرداں
از عقل جفا کار دل افگار شدم + دیوانۂ خود خواں و خلاصم گرداں +

۵۲ نظام الدین احمد نے مع اپنے ہمراہیوں کے شہنشاہ اکبر کی بتیسویں سالگرہ کے جشن واقع لاہور میں شرکت کی غرض سے بارہ دن میں بارہ سو میل کی مسافت طے کی اور شہنشاہ کے الطاف خسروانہ کا مورد ہوا۔ مصنف

عطر منگانے کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

تیمور کے جملہ جانشین ذاتی شجاعت، دل کی مضبوطی، کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے اور ان میں سے بعض نے اپنے مورث اعظم کی وہ ہمت ترکہ میں پائی تھی جس سے کہ وہ ایک قائم شدہ رائے پر ہمیشہ مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ پابند تھے لیکن ہمایوں نے ان اوصاف کو ترکہ میں نہ پایا تھا اسمیں جرأت ضرور تھی لیکن استقلال کی کمی تھی - ارسکن صاحب نے جو ہمایوں کی سوانحعمری لکھی ہے اس میں اسکی عادات وخصائل کی بابتہ جداگانہ رائے ظاہر کی ہے جسکا انتخاب ہم اسجگہ درج کرتے ہیں :-

"اس کا ذہن تیز تھا لیکن وہ متلون طبع، بیفکر اور غیر مستقل تھا - قدرتی طور پر وہ فیاض، ملنسار اور محبت کرنے والا تھا" اسکے عادات شائستہ بے تکلف اور دلکش تھے" اس کی فیاضی آخر کار اسراف کی درجہ تک پہونچگئی تھی اور اسکی شفقت کمزوری کی حدتک بڑھ گئی تھی اور اسی لئے مرتے وقت تک وہ خوشامدیوں اور ان لوگوں کا جو اس کے منظور تھے شکار بنا رہا - وہ علم کا شایق تھا، اور علمار کی صحبت سے خوش ہوتا تھا - وہ شاعر بھی تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے ریاضی اور علم ہئیت میں بہت دستگاہ حاصل کرلی تھی - انتقال کرنے سے پہلے وہ ایک رصدگاہ تعمیر کرنے والا تھا اور اس کے آخری آلات مہیا کرچکا تھا - وہ ایک خاصہ مسلمان، صوم صلوۃ اور ارکان شرع کی پابندی میں سخت تھا" اور اگرچہ وہ دلیر، نیک مزاج، فیاض

۵ہمایوں کے کلام کا انتخاب :- گزشت از دل سرگشتہ ناوک ستمش + بماند بر من دلدادہ لذت المش + بقصد کشتن عشاق گر کند میلے + عجب نباشد از خلاص وشیوۂ کرمش + کرامت زہرہ قرب حریم حرمت او + کہ جبریل امین نیست محرم حرمش + اگر بہ پرسش عشاق می نہد قدمے + ہزار جان گرامی فدائے بر قدمش + ولہ - خوش آنکہ باخیالت عمر نشستہ بودم + وز شوق سرو قامت از جائے جستہ بودم + عیبم مکن کہ گفتم موے ترا پریشان + وز شرح جعد زلفت چوں دل شکستہ بودم + وز شرح غنچہ اوہر گز نگفتہ حرفے + لب را وراں حکایت پیوستہ بستہ بودم + حقا کہ چون ہمایوں در حال وصل بیخود + با دوست در حکایت از خویش رستہ بودم + ولہ - داغ عشق تو بر جبین منست + خاتم لعل تو نگین منست + تا نشستم چو خاک بر در تو + پشت بام فلک زمین منست + ہر کجا شہر و شہر یارے تو + این زمان بندۂ کمین منست + خط مشکیں بصفحہ گلفام + آیت رحمت مبین منست + ولہ - من اشک روان چو گنج قارون دارم + گلگونہ دروں کیسہ زافیون دارم +

۲ہمایوں کا علم ہئیت میں کامل دستگاہ رکھنا محض فسانہ نہیں ہے جیساکہ ارسکن صاحب کی تنقید سے مترشح ہوتا ہے بلکہ یہ واقعہ ہے - لوگ دور دراز سفر طے کرکے اُس سے اس فن کی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے چنانچہ نورالدین سیقدوی ہئیت سیکھنے کیلئے اسکی خدمتمیں ہندوستان آئے ہمایوں خود علامہ الیاس اردبیلی کا شاگرد تھا اسکو اس فن سے اس حدتک شغف تھا کہ یہی شوق اُسکے وفات کا سبب ہوا - اپنے کتبخانہ کی چھت پر شام کو طلوع مریخ کا مشاہدہ کرنے گیا تھا اور جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے اذان کی آواز سنکر چھت سے اترتے وقت زینہ سے پھسلا اور گرا تو جانبر نہ ہوسکا - اُسنے کرہ ارض، کرات عناصر، افلاک کواکب مجسم صورت کی مختلف رنگوں سے بنائے تھے - سات سیاروں کے لحاظ سے سات کرے بنوائے جو اصول منجم کے لحاظ سے ہر ایک خاص رنگ کے تھے ہفتہ کے ہر دن وہ بسلسلہ ترتیب کیسا ایک کمرہ میں بیٹھا کرتا تھا اور اس روز اسی کمرہ کے رنگ کے مطابق خود لباس زیب تن کرتا تھا اور اسی طرح اسکے مصاحبین بھی کرتے تھے - ہندوستان میں اصطرلاب کا رواج اسی کا دیا ہوا ہے اسنے ایک خاص اصطرلاب ایجاد کیا جسکو اصطرلاب ہمایونی کہتے ہیں - یہ لفظ یونانی زبان کا ہے جسکے معنی میزان الشمس کے ہیں اصطر ستارہ کو کہتے ہیں اور اسٹرانومی یعنی علم ہئیت اسی اصطر سے مشتق ہے، دارالعلوم ندوہ میں ایک اصطرلاب پر یہ عبارت کندہ ہے "عمل ضیاء الدین ...

اور علم دوست تھا مگر اسکی نیکیاں حد سے گزر کر عیوب میں شمار ہونے لگیں اور ان سے بہت کم مفید نتیجہ پیدا ہوا۔"

اس کے باپ بابر نے بھی اسکے متعلق اپنا فیصلہ ہمارے لئے چھوڑا ہے۔ ہمایوں بہت عرصہ تک دربار میں رہا اور سلطنت کے ہر جزوی معاملات میں حصہ لیتا رہا اور بادشاہ کا ایسا معین تھا کہ ایک لمحہ کو بھی اس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ بابر ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ہمایوں ایک رفیق ہونے کی حیثیت سے تمام آباد حصہ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا وہ گلگزار انسانیت و خوش اخلاق تھا۔ باپ سے اسکی محبت خالص اور سچی تھی۔ اپنی عمر کے چھیالیسویں برس میں اسنے بابر کے سوانح کا اپنے ہاتھ سے ترجمہ لکھا اور اس میں جابجا اپنے حواشی اضافہ کئے۔ وہ اپنے متوسلین پر یکساں مہربانی کرتا اور ان کا خیال رکھتا۔ اپنے بیٹے اکبر۔ اپنے رفقا اور اپنے شریر بھائیوں سے ایکسی طرح پر ہمیشہ سرگرمی کے ساتھ محبت رکھتا تھا اس کی سلطنت میں خرابیاں زیادہ تر اس لئے پیدا ہوگئی تھیں کہ اس سے ان لوگوں کے ساتھ سخت برتاؤ کرنے میں بڑی کوتاہی ہوئی لیکن ہم باوجود ان متواتر مصائب کے خیال کے اسکی قدر و منزلت اس وجہ سے کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب کچھ اس وعدہ کی ایفا کی غرض سے تھا جو اس نے اپنے باپ سے اسکے مرتے وقت کیا تھا۔ اس کی عادات کے وہی نقایص جنھوں نے اسکو مختلف قوموں کے کامیاب فرمانروا ہونے کی حیثیت سے کسیقدر کم تعریف کا مستحق باقی رکھا ہم کو اسکا بہت زیادہ گرویدہ بحیثیت اسکے انسان ہونے کے بنا لیتے ہیں۔ اسکی شہرت کو اسلئے نقصان پہونچا ہے کہ اس کا عہد حکومت بابر کی بارونق فتوحات اور فیاض و مدبر اکبر کی حکومت کا درمیانی زمانہ تھا لیکن وہ بابر کا بیٹا اور اکبر کا باپ ہونے کا سزاوار تھا۔

سید عبد السبحان ناظر

چار کتابیں

الفاروق۔ مکمل ہر دو حصہ مع نقشہ دنیاے اسلام، علامہ شبلی کی سیرت حضرت عمرؓ پر مشہور کتاب ہے قیمت عہ

ابومسلم خراسانی۔ جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ قیمت عہ

نقش ارژنگ۔ جلال الدین صاحب اکبر کی نظموں کا مجموعہ قیمت عہ

خطوط شبلی۔ عطیہ بیگم فیضی اور زہرا بیگم فیضی کے نام قیمت عہ

منیجر نگار بک ایجنسی لکھنؤ

عطر ملنے کا پتہ۔ صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگایئے

قربانیاں

(افسانہ)

شیخ عبدالرحیم ان قدیم روش کے لوگوں میں سے تھے جو باوجود زمانہ کا سرد و گرم دیکھنے کے اپنا طریق عمل بدلنا پسند نہیں کرتے ایک چھوٹے سے خاندان کی حکومت ان کے ہات میں تھی اور وہ تمام سپید و سیاہ کے مالک تھے وہ اپنے اختیارات کے کام لانے میں اسی قدر پس وپیش کرتے تھے جتنا کہ تیرہویں چودہویں صدی کے خود مختار بادشاہ۔ جو بات بری یا بھلی سیدھی یا الٹی وہ اپنی جگہ پرطے کر لیتے وہ گھر بھر کو ماننی پڑتی۔ کسی کو دم مارنے کی اجازت نہ تھی۔ سب سے زیادہ مسن ہونے کی وجہ سے انھیں اسکا کافی موقع مل گیا تھا کہ وہ خاندان کے ہر شخص کی قوت ارادی کو کمزور بنا کر مطیع کر لیں۔ جب ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی تو انکی بیوی نے دو ایک مرتبہ غرور حسن و شباب سے حکم عدولی کی تھی۔ جسکا نتیجہ دو مرتبہ طلاق کی صورت میں ظاہر ہوا اور اب اس بیچاری کو ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ ذرا سے انحراف سے کہیں تیسری طلاق کی باری نہ آجائے لیکن شیخ صاحب کی یہ حالت تھی کہ وہ انھیں اپنے بس میں دیکھکر بجائے مستحق رعایت سمجھنے کے ہر وقت جبر و سختی کا نشانہ بنائے رکھتے تھے اس افراط کا نتیجہ طرح طرح کی مصیبتوں میں ظاہر ہوتا۔ لیکن ان کے مستقل ارادوں کو ذرا سی بھی تو جنبش نہ ہوتی اور نہ وہ کسی وقت اپنی قائم کی ہوئی رائے سے ٹلتے۔ خواہ میاں بیوی کے تعلقات کیسے ہی کشیدہ اور تلخ ہو جائیں۔ جب بچے ہونے لگے تو انکا دائرۂ حکومت اور بھی وسیع ہوا۔ اگر وہ پہلے بادشاہ تھے تو اب شہنشاہی کے مراتب حاصل ہوئے۔ اس لئے جبروت اور بھی بڑھا۔ اختیارات میں اور بھی توسیع ہوئی۔ زچہ خانہ ہی سے حکومتیں شروع ہونے لگیں۔ بچے کو رونے نہ دیا جائے کانوں کو برا معلوم ہوتا ہے۔ دایہ کی ایک ہفتہ سے زاید ضرورت نہیں اصراف محض ہے۔ زچہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کرے جسم میں قوت آئیگی۔ دفعتاً بچہ پر ام الصبیان کا دورہ پڑا۔ گاؤں کے حکیم صاحب بلائے گئے۔ انھوں نے یونہی معمولی اردو فارسی کچھ پڑھی تھی اور ان کی سب سے بڑی تعریف یہ کیجا سکتی ہے کہ وہ شیخ جی سے ضدی مریض کو بھی عدم آباد جلد سے جلد پہونچا دینے میں خاص سلیقہ رکھتے تھے۔ ماں چیخا بیٹا کی کہ شہر سے سول سرجن۔ لیڈی ڈاکٹر یا کوئی تجربہ کار حکیم بلوا دو لیکن شیخ صاحب کی ہٹ اور حکیم صاحب کے کمال کے آگے اسکی کچھ نہ چلی اور بچہ تین دن کی علالت میں پیوند خاک ہو ہی گیا۔ گو اس روز سے شیخ جی سے انکی بیوی بہت زیادہ کشیدہ خاطر ہو گئی تھیں۔ لیکن فطرت نے اپنا کام پھر کیا اور ان کے بطن سے پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ یہ ماں کی طرح سخت جان

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خریدیئے

اور باپ کی طرح ضدی تھی اس لئے کہ گو شیخ جی کی افراط خود پرستی نے بڑی جدوجہد کی لیکن اُسنے مرنے کا نام نہ لیا۔ گھٹنوں چلی تتلی زبان میں بولی۔ پڑھنا شروع کیا قرآن ختم کیا شیخ سعدی کی پوری تصنیفات پڑھیں اور بالآخر ایک سرو قد نازک اندام روشن خیال مہ جبین بنکر رہی اور شیخ جی کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ انوری واقعی گھر کا اُجالا ہے

خواجہ عبداللطیف انسپکٹر پولیس شیخ صاحب کے دور کے عزیز بھی تھے اس لئے جب کبھی وہ تفتیش میں آتے تو شیخ صاحب ہی کے مہمان ہوتے۔ انسپکٹر صاحب کوئی ستائیس اٹھائیس برس کے جوان تھے اور اس قدر جلد ترقی کا راز محض ان کی دیانت۔ سچائی۔ اور بہادری تھی۔

ایک دن انسپکٹر صاحب کو تفتیش میں اتنی زیادہ دیر ہوئی کہ آفتاب غروب ہوگیا برسات کا موسم کالی رات تھی شیخ صاحب نے اصرار کیا۔ ان کے ہاں مقیم ہو گئے۔ شب کو کھانا کھانے کے بعد جب پلنگ پر لیٹے حقہ پی رہے تھے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی کسیکو نہایت درد بھری لیکن دلکش اور سریلی آواز میں ڈاکٹر اقبال کی مشہور نظم "فاطمہ بنت عبداللہ" پڑھتے سنا اور جب پڑھنے والا اس مصرع پر پہونچا کہ:-

"ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!"

تو بے اختیار انکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اُٹھکر ٹہلنے لگے اور دیر تک اس سے لطف اٹھاتے رہے۔ پھر پلنگ پر آکر پڑ رہے اور کروٹیں بدل بدل کر بالآخر سو گئے۔

تھوڑی ہی دیر سوئے ہوں گے کہ دماغ عجیب طرح کی بو سے پراگندہ ہوگیا اور دم گھٹنے لگا۔ گھبراکر آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ تمام کمرہ میں دھواں بھرا ہے اور مکان کے زنانے حصہ سے عورتوں کی چیخ پکار کے ساتھ "ہائے آگ لگی! آگ لگی!" کی آواز آ رہی ہے فوراً پلنگ سے اٹھے اور کمرے کے باہر آکر ڈیوڑھی سے شیخ صاحب کو آواز دی۔ کئی مرتبہ پکارنے کے بعد کوئی بولا "ارے بھیا اندر چلے آؤ۔ وہ اپنے حواس میں نہیں!"

عبداللطیف کچھ رکتے جھجھکتے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ مکان کے ایک حصے میں آگ اچھی طرح لگ چکی ہے شعلے بھڑک رہے ہیں شیخ صاحب صحن میں ایک پلنگ پر بیہوش پڑے ہیں اور عورتیں گرد پروانہ کی طرح جمع ہیں اور نہ کسی کو پردہ کا خیال ہے نہ کسی اجنبی کے آنے کا ایک معمر عورت کو لوگ پکڑے ہیں اور وہ چیخ رہی ہے "ہائے مجھے چھوڑ دو میں اپنے بچے کے ساتھ جل مرونگی!" انسپکٹر صاحب کو دیکھکر بولیں "بھیا مجھے ان سے چھوڑا دو میری بچی کوٹھے پر جل رہی ہے۔ خدا کے لئے تم ہی بچاؤ!"

انسپکٹر نے چلتے ہوئے دالان میں زینہ دیکھا اور پھرتی سے اچک کر اس پر ہو رہے اور جلدی جلدی قدم رکھتے ہوئے کوٹھے پر

پہونچے اور ایک چھوٹے سے کمرے میں جہاں شعلے حصار بنائے ہوئے تھے داخل ہوئے سامنے ہی ایک نیم سوختہ مجسمہ دکھائی دیا۔ انھوں نے سرعت سے اُسے اپنی گود میں اُٹھایا اور تیزی سے لوٹے شعلے جلو میں تھے کبھی ان کے صدقے ہوتے کبھی اُس چاند سے مکھڑے کی بلائیں لیتے جوان کے سینہ سے لگا تھا۔ لیکن وہ دھن کا پکا سیکڑوں جرکے کھاتا دالان سے ہوتا ہوا صحن میں پہونچا اور شیخ صاحب کے قریب اس دوشیزہ کو لٹاکر ایک مرتبہ جھوما اور سیدھا زمین پر لیٹ گیا!

سخت سے سخت دل کو احسان نرم کر دیتا ہے چنانچہ شیخ صاحب سے سنگدل کی بھی یہ حالت ہو گئی کہ وہ انسپکٹر کا کلمہ پڑھنے لگے اور اسکے معاوضہ کی صورتیں سوچنے لگے۔ خلاف اصول بیوی سے شب کو مشورہ کیا وہ بولیں "جسکی جان بچائی اسے انکی کنیزی میں دیدیجئے!" بات عقل کی تھی سمجھ میں آگئی۔ اور ایک صاحب کے ذریعہ سے انسپکٹر تک پیغام پہونچایا وہاں انکا یہ حال کہ انوری کو آگ سے نکال تو لائے تھے۔ لیکن خود دوسری آگ میں جلنے لگے تھے۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کے حلقہ میں اسکا دمکتا ہوا چہرا، اسکے پریشان و آشفتہ بال، اس کا نرم نرم جسم جسے وہ اپنی گود میں اُٹھاکر بچا لائے تھے اور پھر وہ فطری تعلق اور وہ کشش جو بچانے والے اور بچائے جانے والے میں پیدا ہو جاتی ہے ان سب کے علاوہ اسکے محاسن اور خوبیوں کا دوسروں کی زبان سے بیان الغرض ان تمام باتوں نے ان کے حواس کو مختل کر رکھا تھا کہ سونے میں سہاگا یہ ہوا کہ انوری نے ایکدن ایک ماما کے ہاتھ ایک خط لکھ بھیجا۔ مضمون یہ تھا:۔

میرے محسن!

گو رسم ہندوستان کے سراسر خلاف ہے لیکن میں آپ کا شکریہ بغیر ادا کئے نہیں رہ سکتی آپ نے جس طرح اپنی قیمتی جان خطرے میں ڈال کر مجھے بچایا میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اسپر اپنی شکر گزاری کا اظہار کر سکوں۔ "انوری"

انسپکٹر صاحب نے جب سے یہ خط پایا تھا اسوقت سے اپنے کو اس کا غلام تصور کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جب ان کے پاس شیخ صاحب کا یہ پیغام پہونچا تو وہ سجدۂ شکر میں جھک گئے اور مارے مسرت کے انکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے!

الغرض بات پکی ہو گئی۔ تحفے تحائف آئے گئے۔ منگنی بھی ہو گئی اور عقد کی تاریخ طے ہونے لگی کہ شیخ صاحب کو انکی افراط خود پرستی کی سزا اور انوری کو اس کے افراط ایثار کا بدلہ دینے کے لئے فطرت نے نیا سامان کیا۔

انسپکٹر صاحب پھر تفتیش کے سلسلے میں آئے اور ہونیوالی سسرال میں آکر مقیم ہوئے۔ کوٹ اتار کر کھونٹی میں لٹکایا اور وضو کرکے نماز پڑھی اور پھر کوٹ پہنکر باہر کہیں تفتیش کے لئے چلے گئے۔ ان بیچارے کو کیا خبر کہ ان کا وہ خط جسے وہ ہر وقت اپنے

عطر حنا اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بہت مشہور ہے

دل کے قریب رکھتے تھے وہیں شیخ جی کے کمرے کے فرش پر گر پڑا تھا۔ ان کے جانے کے بعد شیخ جی نے جو ایک خط پڑا ہوا دیکھا اور رسم خط انوری سے ملتا ہوا پایا تو تجسس سے کھول کر پڑھنے لگے۔ وہی الفاظ جنھوں نے انسپکٹر صاحب کے دل میں جذبات کا طوفان برپا کر دیا تھا ان کے لئے زہر آلود نشتر بن گئے تھے حکومت و جبروت کی عادی فطرت مراسم ہندوستان کی پابند طبیعت نے انوری کے اس فعل کو حد درجہ حقارت کی نگاہوں سے دیکھا اور اظہار احسانمندی کو بغیرتی اور بے حمیتی کے کریہ الفاظ سے یاد کیا۔ مارے غصہ کے اپنی بوٹیاں نوچنے لگے اور وہ خط ہاتھ میں لئے لال لال دیدے نکالے اندر پہونچے اور بیوی کے سامنے پھینک کر بولے "دیکھئے یہ آپ کی صاحبزادی کے کرتوت ہیں۔!"

انھوں نے سہم کر خط اٹھا لیا اور شروع سے آخر تک پڑھ گئیں کچھ سمجھیں کچھ نہ سمجھیں۔ لیکن مصالحت کرنے والے لہجے میں بولیں "ہاں ہے تو بات شرم کی لیکن اب تو دو چار دن میں شادی ہی ہوئی جاتی ہے!"

شیخ صاحب جھنجھکر بولے "شادی! شادی کیسی؟ اب تو وہ مردود مر بھی جائے تو میں اس لونڈے سے ہرگز نہ کروں! میں اس چھوکری کا اپنے ہاتھ سے گلا گھونٹ دونگا لیکن اب لطیف کی تو اسے۔ بیوی نہ ہونے دونگا چپکے چپکے نامہ و پیام ہوتے ہیں! .... مردود!"

اور دانت پیستے۔ آستین چڑھائے پیر پٹختے باہر چلے آئے۔ یہاں گھر بھر میں سناٹا ہو گیا۔ ہر شخص کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور جب ناکردہ گناہ مجرم کو خبر لگی تو وہ ڈر اور صدمے سے سہم گئی۔ غرضکہ انوری کے اظہار تشکر نے اور شیخ صاحب کے اظہار تنفر نے اور پھر دونوں کی جلد بازی نے اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑ دیا اور دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان ایک لوہے کی دیوار حائل ہو گئی!

ماں نے ہاتھ جوڑے بچی کی بے مرادی دکھائی۔ اس کی معصومیت اور بھولے پن کی قسمیں کھائیں۔ عزیزوں نے سمجھایا و دوست احباب نے راہ راست پر لانے کی کوششیں کیں لیکن سب بے سود۔ شیخ صاحب کی ضد۔ پچاسوں برس کی منجھی ہوئی ضد کے آگے کسی کی پیش نہ گئی۔ اور یہ ہو کیونکر سکتا ہے؟ ان کی سالہا سال کی ریاضت برباد جاتی۔ انکی حکومت میں خلل آجاتا۔ ان کو ماننا پڑتا کہ لڑکے لڑکی بھی شخصیت رکھتے ہیں ان کو بھی اپنی زندگی کے اہم ترین معاملے میں "ہاں" "نہیں" کہنے کا اختیار ہے۔ ناممکن خلاف عقل! قطعی محال! جب بوڑھا اس طرح کا بچپنا کرے تو کون سمجھائے۔

انسپکٹر صاحب نے یہ قہاری حکم سُنا۔ دل تڑپا، آنکھوں سے آنسو نکلے اور داڑھی کو تر کرتے ہوئے دامن پر گر کے بکھر گئے اور لوگوں کے ذریعہ سے شیخ صاحب کی خوشامد کرائی روپیہ کا لالچ دیا۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ اس بندۂ خدا نے نہیں سے ہاں نہ کی۔

نہ کہنا تھا نہ کہا بلکہ اپنے ایک جاہل نصف سے زائد پاگل بھتیجے سے بات ٹھہرائی اور ابتدائی رسمیں کر کے عقد کی تاریخ مقرر کر دی انوری نے لاکھ دل پر جبر کیا لیکن اس طرح زندگی کا خون ہوا اور چہرے مہرے سے ظاہر نہ ہو! اپنا پرایا ہر شخص دیکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اُسے یہ شادی قطعی نامنظور ہے۔ لیکن اس بندی بشر نے جو ایک زبان بندی کی تو پھر رسمیں ہوا کیں انکار و اقرار ہوا کیا جھگڑے رنجیاں بھی ہوئیں۔ مسرتیں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ نہ منھ سے بولی نہ سر سے کھیلی! اور بولتی کیسے! بیٹی ذات۔ اپنی شادی بیاہ کی بات! سب ہی تو دیدہ دلیر بنانے لگتے۔ لیکن اس سکوت کے یہ معنی نہ تھے کہ اسکے دل پر کچھ گزرتی ہی نہ تھی۔ جو کچھ ہوتا تھا وہ سب استقلال سے جھیل رہی تھی اور نباہے لئے جا رہی تھی اس لئے کہ وہ بھی اپنے باپ کی بیٹی تھی اور اول دن سے کوئی بات دل میں طے کئے بیٹھی تھی۔

آخر وہ بھی دن آہی گیا جسکی شام کو بارات آنے والی تھی۔ انوری نے منھ اندھیرے اٹھکر نماز پڑھی تلاوت قرآن کی اسکے بعد دو خط لکھکر لفافوں میں بند کئے ان پر پتے لکھے اور انھیں اپنے تکیہ کے نیچے رکھکر وہاں گئی جہاں تھکی ماندی ماں پڑی سو رہی تھی اور آہستہ آہستہ پانوں دبانے لگی۔ وہ کسل سے چور تھوڑی دیر مدہوش لیٹی رہیں پھر انھوں نے جب آنکھ کھولکر دیکھا کہ ان کی نور دیدہ ہے تو دعائیں دیتی اُٹھ بیٹھیں اور دیر تک کلیجہ سے لگائے رہیں اور ماں بیٹی کے آنسو انھیں کی طرح ایک دوسرے کے آغوش میں سما گئے۔

پھر انوری وہاں سے لوٹی اور اس گوشہ میں چلی گئی جو اس کے لئے مخصوص تھا اور اس نے پہلے تو ادھر اُدھر دیکھا اُسکے بعد دیر تک ہاتھ جوڑے چھت کی جانب دیکھا کی اور اسکے ہونٹ ہلتے رہے پھر اُس نے اپنے ہاتھ کی اس انگوٹھی کی طرف دیکھا جس میں ہیرے کی کنی چمک رہی تھی اور جو انھیں رسموں میں اُسے پہنائی گئی تھی۔ اور ایک مرتبہ بسم اللہ کہکر کنی چبا گئی! اور پھر مسکراتی ہوئی چپکی لیٹ رہی!

دوپہر کو شادیانے بج رہے تھے شہنائی والا اپنی نوازیاں دکھا رہا تھا زنانہ مکان سے دفعتاً "ہائے! ہائے!" کی صدا بلند ہوئی۔ شیخ صاحب ننگے پانوں دوڑتے ہوئے اندر پہونچے۔ دیکھا تو سارا گھر خالی ہے اور تمام بیویاں اس گوشہ میں جمع ہیں جہاں انوری کو ہفتوں سے محبوس کیا گیا تھا اور ہر شخص سر و سینہ کوٹ رہا ہے اُنھوں نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا "ارے لوگو یہ کیا ہے؟" یہ سنتے ہی ان کی بیوی ان کی طرف مجمع کو چیرتی یہ کہتی بڑھیں:-

"بی بیو ذرا انھیں دیکھنے دو...... ہٹ جاؤ! علحدہ کھڑی ہو جاؤ۔ آج وہ اپنے کرتوت دیکھیں گے!"

شیخ صاحب نے اپنی عادت کے موافق ڈانٹکر "کیا ہے کیا؟" تو ضرور کہا لیکن اب جو بیوی کے چہرے پر نظر کی تو عجب طرح کا فرق پایا اس عورت کی آنکھوں سے جس نے کبھی آنکھ ملا کر ان سے بات نہیں کی، آج شعلے نکل رہے تھے اور ان

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد میں ہے

ہاتھوں نے جو ہمیشہ ان کے رعب سے کانپا کئے۔ بڑھکر ان کی کلائی تھام لی اور وہ بڑھیا شیرنی کی طرح دھاڑ کر بولی:۔

"صاحب اپنے کئے کا نتیجہ دیکھو...... لو وہ انوری دلھن بنی لیٹی ہے..... باپ ہو صاحب سلام لو! سلام!......

اے ہے انوری اُٹھتیں نہیں بیٹی..... دیکھو یہ تمھارے باپ آئے ہیں..... اُٹھ بیٹھ میرا لال! اور ذرا ان کو بھی ایک مرتبہ اسی طرح حسرت سے دیکھ لے جیسے تو نے مجھے دیکھا تھا"

حرماں نصیب ماں نے شیخ جی کو کھینچکر وہاں لاکر کھڑا کر دیا جہاں وہ سیمین تن بیجان پڑی تھی۔ باپ نے بیٹی کا چہرہ دیکھا بے نور آنکھیں کھلی تھیں۔ آنسو کے دو قطرے دنبالہ دار سرمہ کی طرح غلافی پلکوں سے نکلکر آنکھ اور کان کے درمیان کنپٹی کے قریب آکر رک رہے تھے عنابی ہونٹ نیلے تھے اور باچھوں میں خون بھر اتھا بلکہ گردن تک بہہ آیا تھا۔ داہنا ہاتھ دل کے قریب رکھا تھا اور بائیں ٹانگ ابتک اڈوائن میں الجھی تھی!

شیخ صاحب "ہائے میری انوری!" کہکر لاش کی طرف جھکے ہی تھے کہ ان کی بیوی انھیں پلنگ سے علٰحدہ کھینچکر بولیں "تم ہے اور ہائے وائے سے کیا مطلب؟ یہ ڈھکوسلے رہنے دو! تم تو گلا گھونٹتے تھے۔ گھونٹو!...... اب گھونٹتے کیوں نہیں؟ آنسو کیوں بہاتے ہو؟...... ہاں۔ ہاں۔ اچھا لو۔ یہ طشت میں اسکے کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہیں...... لو انھیں دیکھ لو! شاید تمھیں تسکین ہو جائے!" اور دفعتاً شیخ جی کا ہاتھ چھوڑ کر وہیں فرش پر بیٹھ گئیں اور دونوں ہاتھ طشت میں ڈال دیئے اور عجیب طرح چیخکر بولیں "ہاں بیٹی ہاں شکر ہے۔ تو دنیا سے گئی لیکن سرخرو گئی اور اس بڑھیا ماں کو بھی سرخرو بننے کا موقع دیگئی!..... ہاں ہاں میں سرخرو ہونگی اور ضرور ہونگی! اور یہ کہتے کہتے سارا طشت چہرے پر دیوانہ وار الٹ لیا اور دونوں ہاتھ زور سے سینہ پر مار کر بولیں "بی بیو! گواہ رہنا۔ دائی سرخرو جاتی ہے! اپنی انور بانو کے پاس!....! اور ایک مرتبہ لڑکھڑاتی ہوئی اُٹھیں اور اپنی لخت دل کے پیروں پر گر کر اسکے تلووں سے منھ رگڑ کر دو چار مرتبہ تڑپیں اور پھر بیحس ہو گئیں!

شیخ صاحب نے ایک چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے دونوں آنکھیں بند کیں اور بے تحاشا بھاگے۔ صحن تک پہونچتے پہونچتے ٹھوکر کھائی اور مُنھ کے بل زمین پر اس زور سے آ رہے کہ سامنے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے لیکن انھیں خبر نہ ہوئی۔ انھوں نے پھر چیخ ماری اور پھر اُٹھے۔ تھوڑی دور چلے۔ لڑکھڑائے تھرّائے گلے سے کچھ خرخراہٹ سی پیدا ہوئی اور پھر زمین پر سیدھے دراز ہو گئے بیہوشی نے رحم کیا۔ جان بچالی!

کالی رات میں تاریک گھٹائیں امڈی آرہی تھیں اور آٹھ بج چکے تھے برادری کے لوگ شیخ صاحب کے یہاں بیٹھے ہوئے

انھیں تسکین دے رہے تھے اور کفن دفن کی فکر میں مبتلا تھے۔ انسپکٹر عبداللطیف مع ایک سب انسپکٹر اور دس پولس کے جوانوں کے آ پہونچے۔ چہرہ اُترا ہوا آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے اور آواز سے ایک عجیب طرح کے درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی شیخ صاحب سے ترش روئی سے بولے:۔

"خودکشی کا شبہہ ہے لاش اور جائے وقوعہ کا معائنہ ہوگا!"

وہ تھرا کر بیٹھ گئے اور بولے "میری آبروریزی ہوگی!"

انسپکٹر صاحب نے دوسری طرف منھ پھیر کر کہا "اس میں تو میں مجبور ہوں! یہ میرا فرض ہے!" اور لوگوں کے سمجھانے پر کچھ نرم ہو کر بولے "اچھا مجھی کو دکھلائیے!"

ضابطہ کی بات تھی شیخ جی بھی مجبور ہو گئے اور پردہ کرا کے عبداللطیف کو وہاں لے گئے جہاں آرزوؤں کا سارا باغ ویران پڑا تھا جہاں اسکی وہ محبوبہ خون میں نہائی پڑی تھی جسے وہ دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا وہ اس گوشہ میں جاتے پہلے ذرا سا جھجکا پھر دل کو قابو میں کرکے وہاں جا کر کھڑا ہوگیا جہاں دولاشیں برابر لٹائی گئی تھیں۔ اور جہاں عاشق مائی اپنی وفا اور محبت کا آخری کامیاب امتحان دیا تھا۔ شیخ صاحب نے جھک کر چہرے سے چادر اٹھا دی اور عبداللطیف ہاتھ باندھکر کھڑے ہو گئے۔ رعشہ طاری تھا لیکن منھ سے نہ کوئی آواز نکلی اور نہ آنکھوں سے کوئی آنسو! صرف پتلیاں پھیلتی اور سمٹتی تھیں اور رہ رہکر ان سے شعلے نکل پڑتے تھے!

یہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک ماما دو خط لئے ہوئے آئی اور ایک انھیں اور ایک شیخ صاحب کو دیکر یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ سرہانے رکھے تھے۔

شیخ صاحب نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے خط کھولا۔ لکھا تھا:۔

ابا جان! میں دنیا سے نامراد صرف اس لئے جاتی ہوں کہ آپ نے اپنے اختیارات سے بیجا کام لیا میں نے خودکشی صرف اس لئے کی ہے کہ میرے جسم کو خواہ وہ میری جان بچانے ہی کے لئے سہی۔ لیکن ایک سے زیادہ نامحرم نہیں چھو سکتا! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں اب بھی یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ میں نے لکھنے میں کوئی عقلی یا اخلاقی یا مذہبی گناہ کیا .... بس اتنی تمنا اور ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے مجھے کفنا کر خود دفن کر دیجئے گا۔

آپ کی نافرمان انوری

یہ خط پڑھکر کانپے اور وہیں "میری انوری! میری غیرتدار بیٹی!" کہکر تڑپنے لگے۔ انسپکٹر صاحب نے اپنا خط چاک کیا یہ لکھا تھا:۔

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر خرید کیجئے

"میرے محسن"

میرا اور آپ کا ایک ساتھ خوش خوش بیٹھنا مقدر میں نہ تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی خوف تھا کہ آپ کی نظروں میں احسان فراموش اور روسیاہ نہ بنوں اس لئے اپنے ہاتھوں اپنی جان دیتی ہوں اور بحمدہ اس دنیا سے سرخرو جاتی ہوں ہاں اتنی البتہ تمنا ہے کہ پولس کے ہاتھوں لاش کی بیحرمتی نہ ہو اور میرتقی کا یہ شعر یاد رہے:۔

قتل کئے' کا غصہ کیا ہے؟ لاش مری اٹھوانے دو!
جان سے اپنے جا چکے ہم بھی۔ آؤ تم بھی جانے دو!

اگر ممکن ہو تو آپ خود بھی کاندھا دید یجئےگا۔ شاید روح کی سوزش میں کچھ کمی ہو جائے!

آپکی زندہ و مردہ کنیز۔ انوری

انسپکٹر نے دونوں گھٹنے ٹیک دئے اور مردے کے ہاتھ چوم کر بولے:۔

"چاہے میری جان جائے لیکن میری شہزادی میں تیری وصیت حرف حرف پوری کرونگا!"

لوگ روکتے رہے۔ بڑے بوڑھے سمجھاتے رہے لیکن شیخ صاحب نے خود ہی غسل دیا اور خود ہی قبر میں لیکر اترے جب گور کے اندر داخل ہوئے تو دل کی عجیب حالت ہونے لگی وہاں کی گرمی اور تازی مٹی کی مہک نے دماغ پر خاص طور سے اثر کیا۔ یہ سوچنے لگے کہ وہ بڑھیا جس نے تمام عمر میرا ساتھ دیا۔ میری ڈانٹ سہی۔ میرا غصہ اٹھایا۔ میری گھرکیاں سنیں میری خدمتیں کیں۔ آج وہ اکیلی اس اندھیری کوٹھری میں بند ہوگی اور اس کے اوپر سیکڑوں من مٹی کا بوجھ!...... وہی نہیں بلکہ میری لخت جگر۔ میری نوردیدہ میرے ہاتھوں سے خاک میں سونپی جارہی ہے۔ کیا میں واقعی بیحیا ہوں؟ کیا مجھ میں کچھ بھی غیرت نہیں؟"

اتنے میں لوگوں نے اوپر سے پکار کر کہا "قبلہ رو لٹا چکے یا نہیں۔ اب باہر نکل آؤ۔ مٹی ڈالی جائے۔"

شیخ جی پکارے "او! ارے مٹی! — مٹی اور میرا چاند! — ارے انور — بیٹی۔ ہائے آج کیسی نیند ہے بیٹا؟ — اے میں پکار رہا ہوں۔ تیرا باپ!

آج یہ کیا ہے؟ — تو نے زندگی بھر — میری ایک آواز پر — دوڑ کر کام انجام دیئے۔ اسوقت یہ کیسی چپ لگی ہے۔ بول میرے لال! — لوگوں نے اوپر سے "شیخ جی! شیخ جی"! پکارنا شروع کیا۔ وہ بولے "ہاں ہاں آیا۔ میں اتنا بےغیرت نہیں ذرا بیٹی۔ انور کا پیار لیکر۔ دل ٹھنڈا کر لوں! — بیٹی! مٹی! — میرا قصور — معاف — کردے! —!!

اور ایک مرتبہ اپنے دل کے ٹکڑے پر منھ رکھا۔ اور کانپتے ہاتھوں سے کمر میں چھپا ہوا چھرا نکالا۔ بیوی کی طرف پیار سے دیکھا۔ اور

اور اس زور سے چھرا سینہ پر مارا کہ کلیجہ کے پار ہوگیا پھر تھوڑا سا آگے کھسکے - خون سے رنگے ہوئے ہاتھ بڑھائے اور بیوی اور بیٹی کے گردنوں میں باہیں ڈالدیں - دو مرتبہ ٹانگوں کو سکوڑا اور پھیلایا ہچکی لی اور انھیں کے پاس چلے گئے جنھوں نے ان کی ضد پر جانیں دی تھیں!

انسپکٹر صاحب نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن کافر آنکھوں سے آنسو نہ نکلے - وہ اسی طرح دونوں ہاتھوں میں ریوالور لئے ہوئے بیٹھے رہے ——— اور پولس کے جوان مع سب انسپکٹر کے دور کھڑے رہے -
جب تینوں لاشیں دفن ہوچکیں تو یہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور داروغہ جی سے جاکر بولے دوگرنگ سنگھ میں اس کا مقرّ ہوں کہ میں نے آج اپنے فرض کے بالکل خلاف کیا - لیکن مجھے وصیت کی گئی تھی کہ لاش کی بیحرمتی نہ ہو صاحب کے پاس جانا تو انسے کہنا کہ چونکہ میں نے عدول حکمی کی اور اپنا فرض نہیں ادا کیا اس لئے میں نے اپنے کو ——گولی ماری!"
آخری الفاظ کے ساتھ ریوالور کی نال سینے سے لگ گئی اور گھوڑا دبا اور تڑاتے کی آواز کے ساتھ اس جوان کا لاشہ اپنے خون میں تڑپنے لگا! - ہاں ایک مرتبہ انھوں نے آنکھ کھولی اور گرنگ سنگھ کو جھکے زانو پر سر تھا مسکرا کر دیکھا اور بولے :-
سب دوستوں کو .... سلام کہدینا .... اور کہنا ..... کہ ..... جدائی کے صدمے ..... جاتے رہے .....
وہ مل گئیں ...... جنکی زندگی میں تمنا تھی ...... آرزو تھی!

علی عباس حسینی

تین کتابیں

رسولؐ عربی - نبی کریم صلعم کے مقدس حالات خاص مستورات کے لئے سہل اور عام فہم زبان میں قیمت صرف ۸ر
امت کی مائیں - رسول اکرم کی ازواج مطہرات کے حالات آپکا حُسن سلوک رسول اللہ کی خانہ داری ۷ر
بنت الرسول - خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کی سوانح عمری خواتین اسلام کے لئے قابل دید کتاب قیمت صرف ۵ر

ملنے کا پتہ
منیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

عطر منگانے کا پتہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ -

قسطاسِ مُستقیم

(سلسلۂ ماسبق)

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کہ :-

ذوق کا کلام سہل الفہم ضرور ہے لیکن اس میں وہ شگفتگی اور رنگینی نہیں ہے جو ایک عامی اور عالم کے یہاں مایۂ الامتیاز ہے"

حضرت غزل میں عالمانہ الفاظ لکھنا فن سخنوری میں جائز نہیں ہے۔ روزمرہ کی صفائی اور سلاست الفاظ اور کلام تشبیہیں غزل گوئی کی روح ہیں میر تقی مرحوم کا شعر ہے ؎

یوں پکارے ہیں بلبل مجھے کوچہ جاناں والے　　ادھر آ بے ابے او چاک گریباں والے

الفاظ سوقیانہ ہیں لیکن درد بھر دیا ہے اور موقع کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حالانکہ ذوق مرحوم کے یہاں ایسے الفاظ نام کو بھی نہیں ہیں۔ میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں مان سکتا کہ ان کا سوقیانہ انداز ہے ان کی زبان اردوے معلے ہے۔ وہ خاص قلعہ کی زبان ہے۔ وہ زبان ہے جسکے واسطے مصحفی لوگوں کو از راہ طنز کہا کرتے تھے کہ جن لوگوں کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھنا نصیب ہی نہیں ہوا وہ ریختہ کیا جانیں گے۔ یہ وہ زبان ہے جسکی انھوں نے ایک دہلوی ماں کی آغوش میں ابتدائی اور جس کو امرا کی صحبت میں نشو نما دی۔ ۵۰ برس مشق سخن کی تھی بیسیوں کو صاحب دیوان کردیا۔ نواب الہی بخش خان مرحوم کے استاد رہے۔ ان کو صاحب دیوان معروف کردیا۔ ہمہ داں ہمہ گیر کاملین دہلی کی آنکھیں دیکھیں۔ ایک شخص محمد حسین نامی کو آغوش تربیت میں لیا۔ جو بڑا ہوکر یہ پروان چڑھا کہ اردوے معلے کا شمار بعید ہی ہوگیا۔ پھر کسی کو کوئی حق نہیں کہ ذوق کی زبان پر اعتراض کرے جناب اس زبان کو اسی زمانے کے اہل کمال کے نقطۂ نظر سے دیکھئے۔ ان کے مویدین اہل فضل کے نقطۂ نظر سے دیکھئے آزردہ مرزا غالب اور فضل حق مرحوم کی نظر سے دیکھئے آپ اس زبان کا مقابلہ ستر برس بعد کی زبان سے نہ کیجئے رہا یہ کہ سوقیانہ مضامین ہیں۔ کم از کم کچھ مثالیں تو اس سوقیانہ شاعری کی پیش کرتے۔ عزیز صاحب اگر ٹھنڈے دل سے ذوق کا مطالعہ کرتے تو یہ نوبت نہ آتی آپ نے تو ذوق کے دیوان کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور اس پر رائے زنی شروع کردی۔ زور صاحب فرماتے ہیں :-

وہ عام رجحان اور شغف کی جو تعلیمیافتہ جماعت میں پیدا ہو رہا ہے اور جس سے غالب کا دیوان روز بروز اس کی نگاہوں میں قابل توجہ ہوتا جا رہا ہے اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ان کا کلام بہت ادق بلکہ مہمل ہے

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

اس لئے ایک غیر معمولی وقعت حاصل ہو گئی ۔"

غالب کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں شاید ہی کوئی ایسا پڑھا لکھا ہوگا جسے غالب کے متعدد اشعار یاد نہ ہوں ۔ بچارے ذوق کا دیوان ہے کہ صرف ان لوگوں کے ساتھ اس کا وجود باقی ہے جو اس کے ہوا خواہ ہیں .... آخر آپ اتنا تو خیال فرمائیں کہ غالب کے کلام میں غیر ضروری کوئی ایسی بات موجود ہے جو باوجود ادق ہونے کے طلباء کی دلچسپی کو قائم رکھتی ہے ۔ کسی چیز کا صرف ادق ہونا ہی جاذب توجہ ہو تو کم از کم پہلے حساب الجبرا اور علم العروض والقافیہ نہایت ہی دلچسپی کا باعث ہوں ۔"

اسمیں شک نہین کہ موجودہ طریق تعلیم اور اس کے معائب کو دیکھتے ہوئے تو مجھے بھی جناب زور کے خیال سے اتفاق کرنا پڑتا ہے لیکن میں غالب کے کسی شعر کو اسحالمیں بھی مہمل کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ جو شخص اتنا بڑا عالی دماغ ہو اسکے اشعار اگر ہماری سمجھ میں نہ آئیں تو ہماری فہم کا قصور ہے ۔ ممکن ہے کہ وہ ہماری فہم سے بالا تر ہوں ۔" اسمیں شک نہیں کہ غالب کا کلام اردو مجموعی طور پر فارسی سے کہیں مشکل ہے گو آزاد ذوق کے شاگرد ہونے کی وجہ سے غالب کے متعلق رائے دینے میں اعتبار سے گر گئے ہیں لیکن مجھے اس موقع پر ان کی یہ رائے جو نیرنگ خیال میں انھوں نے ایک فرضی خواب "شہرت عام اور بقائے دوام کے پیرائے میں ظاہر کی بڑا مزا دیتی ہے کہ "غالب اگرچہ سب سے پیچھے تھے پر کسی سے نیچے نہ تھے بڑی دھوم دہام سے آئے اور ایک نقارہ اس زور سے بجایا کہ سب کے کان گنگ ہو گئے کوئی سمجھا کوئی نہ سمجھا مگر واہ واہ اور سبحان اللہ کرتے رہگئے ۔" ایسے تو ہزاروں ہی سخن فہم غالب کے اسوقت بھی موجود تھے ۔ دہلی سے دکن اور کلکتہ تک تھے ۔ لیکن ایسے حضرات سے ان کو جیتے جی ہی جب تسکین نہ ہوئی تو اب تو اور بھی ان کی روح کو صدمہ پہنچتا ہوگا ۔ وہ خود فرماتے ہیں :۔ "اکثر صاحب اطراف و جوانب سے ماہ نیم ماہ کے بھیجنے کا حکم بھیجتے ہیں اور میں بھی یہ کہتا ہوں کہ مہر نیمروز کی عبارت کو نہیں سمجھتے تو ماہ نیم ماہ کو لیکر کیا کریں گے" صاحب یادگار غالب نے لکھا ہے کہ اکثر غالب کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ میرے اردو فارسی دیوانوں کو دیکھتے ہیں اور جن قصیدوں پر مجھکو ناز ہے انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں ۔

اسمیں شک نہیں کہ شارحین دیوان غالب نے اسکی مشکل پسندی کافی داد دہی کی کوشش کی ، لیکن کامیابی اگر ہوئی تو اسقدر کہ اپنی کم فہمی کو خوب نمایاں کر دیا ۔ کئی جگہ اپنی نافہمی سے غالب پر مہمل گوئی کا الزام عاید کیا گیا ہے اسمیں بیجا اعتراضات بے نمک توجیہیں نازیبا تاویلیں ہیں اکثر جگہ جہاں ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے وہاں کئی کئی مطالب لکھدئے ہیں خلاف محاورہ اہل زبان اردو فارسی کے لفظوں کے معانی گڑھ لئے ہیں یا ایسے پیچ در پیچ معانی لکھے ہیں کہ خود انکی تشریح شعر سے بھی زیادہ دشوار ہے کہتے ہیں کہ تزندی کی تفسیر استا لکھی گئی وہ کسی اللہ کے بندے نے تزندسے بھی زیادہ عسیر الفہم لکھی مجبوراً موخر الذکر کی بھی تفسیر لکھنا پڑی اور تزند نام رکھا گیا اور تبرکاً استا کو چاک نہیں کیا ، نام خدا یہی حال ان تشریحات کا ہے سن لیا کہ غالب تصوف کے اور فلسفہ کے مضامین بہت لکھتے تھے لہذا ہر جگہ حقیقت اور مجاز میں دوڑنے لگے ہر شعر رسالۂ شفا ہو گیا

ہر مصرعہ کتاب النفس ہوگیا۔ ہر لفظ کو میخانہ فلسفہ اور ہر نقطے کو ساغر حقائق بنا دیا۔ غرض قلم ہاتھ میں تھا۔ جو چاہا جہان لکھدیا معنی شعر مستنبط نہیں کرتے بلکہ خود معانی گڑھ لیتے ہیں اور بعدہٗ اسکو خود ہی لفظی جامہ پہنا کر مطلب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

غالب کے سخن کی تیور پہچاننے والے خدا کے فضل و کرم سے ایسے ایسے ہیں کہ اس شعر کو غالب سے منسوب کرتے ہیں اور اپنی تیور شناسی پر ناز کرتے ہیں ؎

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط ‏ ‏ ‏ ‏ بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

الفاظ ملاحظہ ہوں "تیور تو یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ مرزا غالب جیسے قادر الکلام کے قلم سے نکلا ہے" عزیز صاحب فرماتے ہیں :-

سلاطین مغلیہ کا فوری زوال بہت سی بلاؤں اور تاریکیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ملک کے اطراف و جوانب میں علم کے تذکرے خاموش ہوگئے۔ ہندوستان بھر کے آسمان پر جہالت کی گھٹائیں چھاگئیں ...... ذوق سلیم کا فقدان ہوگیا علامہ کی بن آئی ...... ذوق نے ذوق عامہ کا اتباع کیا مشاعروں میں ان کو واہ واہ بھی نصیب ہوئی ملک الشعراء خاقانی ہند کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا"

بے اختیار وہ زمانہ یاد آتا ہے جبکہ یاس عظیم آبادی نے صفحات مخزن مرحوم پر غالب کے خلاف ایک محشر بپا کر رکھا تھا ..... وہ سب غوغا اور ہنگامے ہائے بے تمیزی صدا بہ صحرا ثابت ہوئے۔ آج چار دانگ ہند میں منادی کرا دیجئے اور دیکھئے کہ آپ کے اور یاس کے کتنے ہمنوا پیدا ہوتے ہیں"

"وہ وقت آئے گا کہ متقدمین سے شاید سوائے غالب اور میر کے دیوانوں کے باقی سب دفتر گاؤ خورد ہو جائیں۔ جب لکھنؤ اور دلی کی قیود سے اردو شاعری آزاد ہوئی تو نہ آتش کی آتش بیانی کام آئی اور نہ ذوق کی سادگی۔ دونوں اس معیار پر کھوٹے نکلے اور زمانے نے بیکار سمجھکر ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا غالب کے کلام کا وہ مجموعہ جسے زمانے کی ناقدر شناسی نے گلدستہ طاق نسیاں بنا دیا تھا تلاش کر کے مارکیٹ میں لایا گیا"

جناب عزیز جو کچھ زوال مغلیہ کے نتائج اور ادبیات پر انکے اثر کے باب میں فرماتے ہیں واقعات اس باب میں کچھ اور ہی بتلاتے ہیں فوری زوال مغلیہ کا بہت سی تاریکیوں کا پیش خیمہ ہونا مسلم لیکن ادبیات کا اس سے متاثر ہونا مستثنیٰ۔ ادھر سلطنت کا زوال ہو رہا تھا۔ ادھر اردو کی بنیاد قائم ہو رہی تھی جو سلطنت کے واسطے خزاں تھی وہ اس کی بہار تھی۔ سلطنت ہبوط میں تھی اور اردو عروج میں، علمی تذکرے عام ہوگئے تھے۔ پہلے صرف محمد شاہ کے دربار میں رنگ لیاں تھیں اب ہر امیر کے یہاں محمد شاہی محافل گرم ہونے لگیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بیدل پیدا ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں قتیل۔ واقف خان آرزو وارستہ اور ان کے بیسیوں

تلامذہ پیدا ہوئے - یہ وہ زمانہ ہے جسمیں میر و میرزا - انشا اور مصحفی جیسے کاملین فن پیدا ہوے - یہ وہ زمانہ ہے جسمیں اردو کے تمام بڑے بڑے شعرا پیدا ہوے یہ وہ زمانہ ہے جسمیں ناسخ موجد طرز جدید ہوئے - یہ وہ زمانہ ہے جسمیں آتش نے آتش بیانی کی - یہ وہ زمانہ ہے جسمیں ذوق - مومن - غالب - ممنون - نصیر - شیفتہ وغیرہ ہوے - اسی زمانے میں اُردو ادبیات کے سرمایۂ ناز مرزا دبیر اور میر انیس پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ ہے جسمیں دہلی سے کلکتہ تک اہل علم سے بھر گیا یہ وہ زمانہ ہے جسکے متعلق حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ دہلی میں اب ایسے افراد جمع ہو گئے تھے جن کا وجود عہد اکبری کے بزم آرایان سخن کی یاد کو تازہ کرتا تھا یہ وہ زمانہ ہے جسمیں بقول غالب صہبائی دبیر و مومن و حسرتی و آزردہ فارسی کے استاد ہوئے ؂

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد در خلوت شان مشکفشان از دم شان
مومن و نیر و صہبائی و علوی انگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان

یہ وہی زمانہ ہے جسکی ابتدا (ع) "این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ" سے ہوئی - محافل عیش و مجالس سخن ایسی گرم ہوئیں کہ آخر کار سلطنت کو آگ لگا دی ؂

جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے — سر سے گزرے پہ ہو بال ہما موج شراب

آپ ایسے فرخ زمانے کو جہالت اور بدمذاقی کے زمانے سے تعبیر کرتے ہیں حیرت ہے -

جناب مالک رام صاحب نے نگار کی اشاعتِ دسمبر میں جس سلامت روی کے ساتھ مضمون بعنوان غالب و ذوق لکھا ہے وہ قابل داد ہے حقیقتاً و تصدیقاً میں نے بھی اپنے ایک دوست سے دیوان غالب طبع پنجم مطبوعہ نظامی پریس بدایوں لیکر دیکھا واقعی مقدمے میں ڈاکٹر محمود صاحب نے عجیب و غریب خیالات کا اظہار فرمایا ہے - خوش اعتقادی کی تعریف کی جا سکتی ہے - لیکن نفس مضمون اور دلائل تاویلات کی تہیں - ع راست میگویم من و از راست سر نتواں کشید - مالک رام صاحب کا انتخاب بھی اچھا ہے مضمون میں دو باتیں کھٹکتی ہیں اول تو مصادر فارسی کے استعمال پر رائے اور دوسرے سہروں کا موازنہ اول الذکر کے باب میں گزارش ہے کہ اگر موصوف اسوقت کی زبان کی حالت کو دیکھیں گے تو مصادر کا استعمال عام پائیں گے حتیٰ کہ ذوق مرحوم کے یہاں بھی ذوق تپیدن، بشگفتن وغیرہ نظر آئیں گے - ذوق کا مصرعہ ہے - تامل کیجیو ذوق تپیدن دیکھئے کیا ہو - سہروں کا موازنہ اس وجہ سے نہیں کیا جا سکتا کہ الفضل للمتقدم اس کا سہرا غالب مرحوم ہی کے سر رہا -

میں نے شعر الہند سے کچھ ذوق کے متعلق استصواب کیا - ذوق اور غالب کے تذکروں میں ورق گردانی کی - لیکن دونوں بیفائدہ ع ز این شیوہ عیان ساخت عیار دگراں را - خیال کرتے تھے کہ دار المصنفین اعظم گڑھ کی تصنیف ہے شعر العجم سے مشابہ بھی ہے کتاب اچھی ہو گی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حصہ اردو ادب میں محض ایک اضافہ غیر ضروری ہے شعر العجم جیسی ہوتی

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگایئے

تو بھی صبر ہو جاتا ———— مانا کہ اردو شاعری اب دہلی اور لکھنؤ کے قیود سے آزاد ہو گئی ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ زبان میں بھی مولوی صاحبان قیاس سے کام لیں۔

شعر الہند صفحہ ۲۴۲ میں ذوق کے تذکرے میں ہے "ذوق بھی اکثر ناسخ کے رنگ میں کہتے ہیں لیکن بایںہمہ وہ شاہ نصیر سے دو باتوں میں ممتاز ہیں ایک تو یہ کہ دلی کی آب و ہوا کے اثر سے ان کے کلام میں جا بجا جذبات اور روحانیات کی آمیزش بھی موجود ہے اس لئے ان کا کلام صحرائے بے آب و گیاہ کی طرح بالکل خشک اور بنجر نہیں معلوم ہوتا بلکہ خس و خاشاک کے ڈھیر میں کہیں کہیں دو چار پھول بھی نظر آجاتے ہیں"

دوسرے یہ کہ محاورات کو ایسی برجستگی کے ساتھ باندھ جاتے ہیں کہ طبیعت کو نہایت لطف و انبساط حاصل ہوتا ہے"

عجیب و غریب طرز استدلال ہے عجب مجہول سبب ذوق کے شاہ نصیر پر اختصاص کا تبلاتے ہیں۔ کیا دلی کی آب و ہوا ذوق ہی پر اثر کرتی تھی اور شاہ نصیر پر نہیں؟

اب راقم بطور خود عرض کرتا ہے کہ میرزا نے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے شاعری کی ابتدا پندرہ برس کی عمر سے کی دس برس تک مضامین خیالی جلال و اسیر و بیدل کے رنگ میں لکھتے رہے۔ اور پھر تمیز آنے پر دیوان مذکور کو محو کیا اور چند اشعار دیوان حال میں رہنے دیئے اگر اس حال میں لوگ ان کی شاعری پر آوازے کستے تھے تو کونسی تعجب کی بات تھی۔ جیسا کہ حالی نے لکھا ہے مرزا کے حقیں میر تقی میر نے جو پیشین گوئی تھی وہ بالکل پوری ہوئی ظاہر ہے کہ مرزا اول اول ایسے رستے پر ہو گئے تھے کہ اگر استقامت طبع اور سلامت ذہن اور بعض صحیح المذاق دوستوں کی روک ٹوک اور نکتہ چینی ہمعصروں کی خوردہ گیری اور طعن و تعریض سد راہ نہ ہوتی تو وہ شدہ شدہ منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتے اس حال میں بھلا نافہمی کا الزام جیسا کہ اکثر اسد اللہ خان غالب نصیری ان کے ہمعصروں پر لگاتے ہیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

مرزا نے ۱۲۴۵ھ میں اسد تخلص ترک کر کے غالب تخلص اختیار کیا۔ یعنی ۴۱ برس تک اسد تخلص لکھتے رہے۔ بھلا اسوقت کے مشاعروں میں ایسے شعر ؎

اسد ہر اشک ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن ۔۔۔ بہ بند گریہ ہے نقش بر آب امید رستہا

سن سنکر لوگ برداشتہ خاطر کیوں نہ ہوتے مرزا کی زبان کچھ اور ہی تھی۔ اسوقت نہ وہ اردو تھی نہ فارسی۔ غالب جب کسی قابل ہوئے تو زمانے نے خود بخود ان کی قدر کی۔ بقول حالی مرحوم ان کا تمام کلام اردو فارسی نظم و نثر ان کے جیتے جی اطراف ہندوستان میں پھیل گیا۔ انکے پاس مکاتیب میں جا بجا سے اردو غزلوں کی مانگ آتی تھی۔ ان کے خطوط دیکھو گے تو اکثر جگہ اُن کا تذکرہ پاؤگے" انھوں نے موجودہ دیوان کا انتخاب بھی کوئی معمولی لوگوں کی تحریک سے نہیں کیا تھا بلکہ مولوی فضل حق

عطر خاص صرف علی محمد علی شاہ عطر لکھنؤ سے خریدنا چاہیے

خیرآبادی جیسے وحید العصر بھی شامل تھے۔ یہ وہ انتخاب ہے جسکے متعلق آزاد مرحوم لکھتے ہیں "یہ وہی دیوان ہے جو کہ آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں"۔

مرزا کے اس خاص طرز کی اہل فہم جہاں تک تعریف کریں بجا ہے۔ غالباً اس باب میں خود ان کی رائے سے بہتر کوئی رائے نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے   کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

حالی مرحوم نے کس سنجیدگی کے ساتھ لکھا ہے۔ "یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شاعر اور اسکے کلام کا اندازہ اسکے کلام کی قلت اور کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اسکے منتخب اور برگزیدہ اشعار کس درجے کے ہیں۔ میر کی قدر لوگ اسلئے نہیں کرتے کہ انہوں نے متعدد ضخیم دیوان چھوڑے ہیں بلکہ صرف اسکے منتخب اشعار نے جو تعداد میں قلیل ہیں (بقول عامہ بہتر نشتر ہیں) اس کو تمام ریختہ گو شاعروں کا سرتاج بنا دیا۔

یہ بھی معلوم رہے کہ تمام شعرا کا کلام ایک ہی معیار سے نہیں جانچا جاتا ورنہ فردوسی۔ نظامی دونوں مثنوی میں اور انوری وخاقانی دونوں قصیدے میں مسلم الثبوت نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ انوری کا قصیدہ اور فردوسی کی مثنوی بہ اعتبار سادگی اور صفائی وعام فہم ہونے کے خاقانی کے قصیدے اور نظامی کی مثنوی سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ حالانکہ چاروں شخص

فارسی کے رکن رکین مانے جاتے ہیں پس لازم ہے کہ جدا جدا معیاروں سے جانچے جائیں"

اب اگر ہم یہ کہیں کہ جو بات غالب کے یہاں ہے وہ ذوق کے یہاں بافراط نہیں ہے اور جو چیز ذوق کے یہاں ہے اسکی غالب کے یہاں بہتات نہیں ہے تو امید ہے کہ اہل انصاف ہمکو یہ کہنے کی اجازت دینگے کہ ———— "ذوق کی زبان مومن خاں کی نازک خیالی اور غالب کی بندش" یہ بالکل بجائے خود صحیح ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ بقیہ دو ہر ایک کے یہاں مفقود ہیں۔ نہیں بلکہ مجموعی طور پر دوسری دو چیزیں ہر تیسرے کے یہاں ملی کیساتھ ہیں اور یہی ان کی خصوصیت ہے جو انفرادی حیثیت سے ایک دوسرے کو ممتاز کرتی ہے۔

عزت علی (ایزدی)

زنانہ کتبخانہ
شوکت آرا بیگم قیمت تین روپیہ۔ اقبال دلہن قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ عورتوں کی انشا قیمت عمر
بہشتی زیور دو روپیہ آٹھ آنے۔ صبح زندگی عہ۔ شام زندگی عہ
منیجر نگار بک ایجنسی لکھنؤ

عمدہ عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجیے

ابن یمین کے گمشدہ نایاب دیوان کی دستیابی

حافظ کی شاعری کے متعلق ایک جدید انکشاف

اور

تاریخ ادب فارسی میں حیرت انگیز اضافہ

اگر ایک طرف یہ امر مسلم ہے کہ بزم تغزل میں حافظ اپنے لئے بجا طور پر مسند صدارت حاصل کر چکے ہیں تو دوسری طرف اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حافظ کی شاعری کا کوئی مخصوص رنگ نہیں ہے اگر اسوقت وہ ایک صوفی باصفا ہیں تو دوسرے وقت ایک رند لاابالی اگر ابھی انکی تسبیح و تہلیل کے نعروں سے خانقاہ گونج رہی ہے تو کبھی ان کی ہوحق سے میخانہ میں ہنگامہ برپا نظر آتا ہے۔ کسی جگہ نکات تصوف بیان ہو رہے ہیں کہیں فلسفیانہ معمے حل کئے جاتے ہیں اور کہیں نہ تصوف ہے نہ حکمت، نہ شریعت ہے نہ طریقت، ایک اہمال ہے ناقابل تاویل ایک بے راہ روی ہے منزل سے کوسوں دور۔ یہ اعتراض زمانۂ حال ہی میں ابرو ار دنہیں ہوا بلکہ خود انکے زمانہ میں بھی لوگوں نے اس کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ شاہ شجاع جب خواجہ حافظ سے کشیدہ خاطر ہو گیا تو اس نے خواجہ حافظ کو بلا کر کہا کہ آپ کی کوئی غزل ایسی نہیں جو ہموار ہو اور ایک رنگ پر قائم۔ ایک شعر میں صوفیانہ نکات ہیں۔ تو دوسرے میں الہوسی کے جذبات۔ تیسرے میں مشائخ پر طعن و تشنیع، چوتھے میں فلسفہ، اس کا کیا سبب ہے، حافظ نے جواب دیا کہ ہاں یہ سب درست ہے مگر باوجود ان تمام برائیوں کے بھی میری غزلیں میری زبان سے نکلتے ہی تمام دنیا میں پھیل جاتی ہیں اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتی ہیں اسی طرح اور لوگوں نے بھی حافظ کے اس انداز پر اعتراضات کئے ہیں اور آج بھی نقاد نگاہیں اُن کی شاعری کے اس نقص کو نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ مگر لوگوں نے بہت کم اس امر پر غور کیا کہ یہ نقص اُن کی شاعری میں کیوں پیدا ہوا۔ اور اسکے اسباب کیا ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حافظ کی ابتدائے زندگی کے حالات میں سے بڑی حد تک ان کے شاعرانہ حیات کو متاثر ہونا چاہئے تھا تاریک ہیں اور اسقدر تاریک ہیں کہ وہاں سے سراغ لگانا آسان کام نہیں، لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص ان کے شاعرانہ تلون کا راز دریافت کرنا چاہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ اسی تاریک زمانہ کی طرف جائے اور اسی وقت کے واقعات سے اس معمہ کا حل چاہے۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم کیونکر ہوئی۔ اس کے متعلق اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ حافظ کے والد

اگر آپ عمدہ عطر خریدنا چاہتے ہیں تو جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

بہاء الدین کا جب انتقال ہوا تو انھوں نے کثیر دولت چھوڑی اور ان کے تین لڑکے اس دولت کے وارث قرار پائے جنیں سے ایک حافظ بھی تھے۔ چونکہ حافظ کے دونوں بھائی سن شعور کو پہونچ چکے تھے اور حافظ ابھی ناسمجھ بچے تھے اس لئے ان کو اس دولت سے جوان کے باپ نے چھوڑی تھی بہت کم حصہ ملا اور اُن کے دونوں بڑے بھائیوں نے چند روز میں اس دولت کو جو باپ سے ترکہ میں ملی تھی برباد کر دیا اور حافظ اپنی والدہ کے ساتھ نہایت عُسرت اور تنگدستی سے بسر کرتے رہے ان کی والدہ نے مجبور ہوکر ان کو کسی آدمی کے سپرد کیا کہ "جو چاہو اس سے خدمت لو مگر اسکے کھانے کپڑے" کی کفالت کرو" اتفاق سے وہ شخص نہایت اوباش نکلا اور حافظ سے نہ نبھ سکی آخر کار اپنے گھر آگئے اور خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا ان کے گھر کے قریب کوئی مکتب تھا جہاں بچے معمولی تعلیم پاتے تھے ان کو بھی کچھ پڑھنے کا شوق ہوا اور وہیں پڑھنے لگے اور جو کچھ پڑھا وہیں پڑھا۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں تعلیم معمولی ہوئی ہوگی۔ خود ناسمجھ تھے مکتب معمولی تھا اور یوں بھی استاد ایسے لاوارث بچوں کی طرف کم توجہ کرتے ہیں، لہذا پہلا سبب تو ان کی تعلیمی خامی ہے جس نے عمر بھر ان کو کوئی ایک راہ اختیار نہ کرنے دی۔ دوسرا سبب غالباً یہ ہوا ہوگا کہ اِن کے محلہ میں کوئی موزوں طبع بزاز رہا کرتا تھا جسے خود بھی شعر و سخن کا شوق تھا اور دوسرے شعراء بھی اس کے یہاں جمع رہا کرتے تھے۔ حافظ صاحب ادھر سے گزرتے تو ان کی طبیعت میں بھی ایک قسم کی گدگدی پیدا ہوتی یہانتک کہ انھوں نے بھی شاعری شروع کردی۔ لیکن اور لوگوں کے واسطے سامان تفریح سے زائد نہ تھی شہر بھر میں ان کی اس حالت کا چرچا ہوا اور مجالس و محافل میں اس بہانے سے ان کا گزر ہونے لگا جہاں لوگ ان کو بناتے تھے۔ اس رنگ میں ان کو دو سال گزر گئے لیکن انھوں نے فکر سخن کو نہ چھوڑا اور دو تین سال کے بعد طبیعت میں ایک خاص مناسبت پیدا ہو چلی اور آخر کار مشق سے موزوں کہنے لگے۔ چونکہ بزاز کی دوکان پر مختلف باکمالوں کا مجمع رہتا تھا اس لئے ان کو جو رنگ اچھا معلوم ہوتا ہوگا اسی طرف توجہ کرتے ہوں گے۔ شاعری کی ابتدا، طبیعت میں ذاتی جوہر قابلیت مفقود، استاد کوئی نہیں مختلف رنگوں کا ان پر اثر ہونا ضروری تھا۔ کچی لکڑی تھے جدھر جو چاہتا تھا موڑ دیتا تھا۔ الغرض یہیں سے ان کی شاعرانہ کجروی کا آغاز ہوا جو رفتہ رفتہ ترقی کرتا رہا خوش عقیدہ حضرات نے ان کی موزوں گوئی کا ایک عجیب لطیفہ بیان کیا ہے کہ جب یہ ہر جگہ بنائے جانے لگے تو ایک روز ان کو نہایت رنج ہوا اور یہ باباکوہی کے مزار پر جاکر بہت روئے اسی عالم میں وہیں سو گئے۔ سوتے ہی حسب معمول ایک بزرگ آ پہونچے اور کچھ آذوقہ بھی اپنے ساتھ لائے۔ اور مہربانیوں کے ساتھ ایک یہ مہربانی بھی کی کہ اپنے ہاتھ سے ان کے منھ میں لقمے دینے لگے اور یہ بھی فرماتے رہے کہ جا اب تمام علوم کے دروازے تجھ پر کھولدئے۔ انھوں نے نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ہیں۔ اب جو یہ صبح کو اٹھے تو یہ غزل کہی ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند ۔۔۔ وندراں ظلمت شب آبحیاتم دادند

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خرید کیجئے

لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ آخر سمجھنے والوں نے یہ سمجھا کہ غزل ان کی نہیں ہے اور دوسری طرح دی، ابن امتحان میں بھی پورے اترے، تو ان کی غزل گوئی کی شہرت ہوئی اور خوب ہوئی۔ یہ واقعہ تذکرۂ میخانہ میں درج ہے اور مولانا شبلی نے بھی یہیں سے نقل کیا ہے، مگر یہ لطیفہ صرف خوش عقیدہ لوگوں کے واسطے ہے اور رستم و سہراب کی داستان سے کم نہیں کہ رستم نے دعا مانگی کہ الٰہی میرا پہلا زور واپس آجائے، صبح کو اس کا یہ اثر ہوا کہ گھٹنوں تک زمین میں دھنسنے لگا

حافظ کے متعلق مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ انھوں نے، سلمان ساوجی۔ سعدی شیرازی۔ اور خواجو کرمانی کی غزلوں کو دیکھ دیکھکر غزلیں کہیں، ہم اس سے بالکل متفق ہیں، مگر وہ اصل میں اس شاعر سے پیچھے تھے جسکا فیض سخن حافظ کو پہنچا اور جس نے ان کو تصوف کا راستہ بتایا۔ یا بہ الفاظ دیگر جسکے صوفیانہ رنگ کو دیکھکر وہ بھی رموز تصوف بیان کرنے لگے اور کہیں کامیاب ہوئے اور کہیں ناکام رہے۔ حافظ کی ابتدائی زندگی نہایت آزادی، سیر و سیاحت رند مشربی میں گزری اور وہ مدتوں تک ادہر ادھر پھرا کئے۔ چنانچہ ان کے دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "رتبے بجد ودا اقالیم خراسان و ترکستان و ہندوستان رسیدہ"۔ تذکرہ نویسوں نے اس بحث سے بالکل قطع نظر کر لی ہے کہ خراسان کب گئے، کیوں گئے اور وہاں ان کی شاعری کا رنگ کیا تھا۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا زمانہ شعراء متصوفین کے لئے اس قدر سعید زمانہ تھا کہ فارس کے مایۂ ناز صوفی شعراء سعدی۔ اوحدی۔ عطار۔ مولانا روم۔ سنائی۔ میر حسینی وغیرہ وغیرہ اسی زمانہ میں پیدا ہوئے اور تصوف و اخلاق کی مایۂ ناز تصانیف اسی عہد میں ہر جگہ مرتب ہوئیں مگر خراسان خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جہاں کا گوشہ گوشہ امیر یمین الدین کے مایۂ ناز فرزند ابن یمین کے کمالات شاعری سے گونج رہا تھا۔

آج ابن یمین کو لوگ صرف اس کے قطعات سے پہچانتے ہیں اس لئے ذرا تفصیل کے ساتھ یہ بتانا ضروری ہے کہ ابن یمین کا مرتبہ غزل گوئی میں کیا تھا اور تصوفانہ رنگ سخن میں وہ کس امتیاز کا مالک تھا۔

ان کا نام محمود تھا، تخلص اور کنیت ابن یمین تھی۔ اصل میں ترک تھے مگر کچھ اسباب ایسے پیدا ہوئے تھے کہ اُن کے والد اپنا اصلی وطن چھوڑکر نواح ترکستان کے ایک قصبہ فریومد میں آرہے تھے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی یہانتک کہ وہ دولتمند اور صاحب اموال و املاک شمار کئے جانے لگے۔

ابن یمین، فریومد میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی چنانچہ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ایک جید فاضل تھے۔ وہ شعر و شاعری کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے اور ابتداء میں اصلاح اپنے والد سے لیتے تھے۔ ان کے والد امیر یمین الدین، جن طرحوں میں خود غزلیں کہتے تھے انھیں میں ابن یمین سے بھی لکھواتے یہانتک کہ امیر یمین الدین کا انتقال ہو گیا، اور ان کی شہرت بھی وراثتاً ابن یمین کو ملی۔ لوگ ان کے قطعات اور غزلوں کو بازاروں میں گاتے تھے اور سوز و

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہمیشہ عطر منگانا چاہئے

سرور کی مجلسوں میں، ابن یمین کی غزلیں خاص عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں چونکہ وہ فاضل شخص تھے اور ان کی شاعری نے امیر یمین الدین ایسے صحیح الذوق کی نگرانی میں نشوونما پائی تھی لہذا ابتدا ہی سے ان کی شاعری نے اخلاقی رنگ اختیار کرلیا تھا جو رفتہ رفتہ تصوف کی حدود میں جا پہونچا اسمیں شک نہیں کہ اسوقت ملک کے تمام مشاہیر اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے مگر ابن یمین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ کیونکہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے کیفیات حقیقی کو جذبات غیر حقیقی سے جدا کیا اور حقیقت و اسرار حقیقت کو غیر معصوم جذبات کی آمیزش سے بچایا وہ ابن یمین ہے۔ انھوں نے جہاں جہاں فضائے قدس میں پرپرواز کھولے ہیں، اسقدر بلند چلے گئے ہیں کہ کسی دوسرے خیال کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی

ابن یمین کا یہ رنگ بھی ہے کہ کبھی کبھی خانقاہ سے اٹھکر میخانہ کی طرف بھی چلے جاتے ہیں۔ مگر وہ یہاں بھی صوفی قایم رہتے ہیں نہ کبھی رندلاابالی کی طرح کسی کی پگڑی اچھالتے ہیں نہ ان کا خرقہ وسجادہ کبھی رہن مے ہوتا ہے، اور نہ وہ دین و دنیا کو ساقی کی نیم نگاہی پر قربان کر دیتے ہیں۔

ان دو خصوصیتوں کے ماسوا اور بھی خصوصیات ان میں موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ البتہ زبان کے متعلق یہ کہنا ضرور ہے کہ ان کی زبان اس قدر صاف وشستہ ہے کہ معاصرین میں کسی کے یہاں سوائے حافظ کے موجود نہیں ہے

ہمارے پاس اسبات کی شہادت میں کہ حافظ خراسان گئے" وہ الفاظ کافی ہیں جو انکے دیوان کے دیباچہ میں موجود ہیں اور جن کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ وہ خراسان پہونچکر ابن یمین سے ملے یا نہیں۔ سو اس کے لئے خود ابن یمین کی شہادت سے زیادہ معتبر گواہی کس کی ہوتی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

چہ غم از طعنۂ اغیار ترا ابن یمیں　　　که چو حافظ بجہاں یار و نگاری داری

اس شعر سے صرف اسبات پر قطعی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ابن یمین حافظ سے ملے۔ بلکہ اس سے ان تعلقات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے جنکی بنا پر انھوں نے حافظ کو یار و نگار لکھا ہے یعنی نہ صرف حافظ کی محبوبیت اور ابن یمین کی دلدادگی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپس کی یہ محبت کافی بدنام ہو چکی تھی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حافظ کے متعلق قریب قریب سب تذکرہ نویسوں نے اسبات سے لاعلمی ظاہر کی ہے کہ وہ کسی کے مرید تھے مگر مصنف مرآت آفتاب نما۔ لب التواریخ کے مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "آنجناب مرید شیخ محمود عطار خلیفہ روزبہان است" مگر شیخ محمود عطار کوئی مشہور ومعروف بزرگ نہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب آمیز قول مصنف مذکور کا یہ ہے کہ "در مصلائے شیراز در جنب پیر خود مدفون گردیدہ"

دنیا جانتی ہے کہ حافظ کا مصلائے شیراز میں مدفن ہے، مگر کوئی یہ نہیں لکھتا کہ وہ اپنے پیر کے پہلو میں مدفون ہیں یہیں سے

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کا تار کا پتہ صرف حنا لکھنو ہے

یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ابن یمین کے جنکا نام محمود ہے حافظ کسی وقت میں مرید ہوئے اور پھر نام کے التباس کی وجہ سے یہ غلط ملط واقع ہو: قیاس کی بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ترک نژاد تھے - اور ابن یمین بھی خاندان ترک سے تعلق رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ امیر یمین الدین اور حافظ کے والد بہاء الدین کے تعلقات اچھے رہے ہوں اور اسی بنا پر ان کے سلسلہ محبت نے ابن یمین کے ساتھ مضبوطی پیدا کی ہو اگرچہ اس قیاس کے غلط ہونے کا بھی احتمال ہے مگر صحت کا قرینہ بھی کچھ کمزور نہیں ہے غرض یہ کہ حافظ یقیناً اپنی ابتدائی شاعری میں خراسان گئے اور اس کے مشہور و معروف قصبہ فریومد میں پہونچے - ابن یمین ایک مشہور ادیب اور ...... نہایت مشہور مہمان نواز تھے۔ حافظ ابن یمین کے یہاں پہونچے اور ابن یمین نے اپنی عادت جاریہ کے موافق ان کی پزیرائی کی اور پھر یہ وہاں مدتوں ایک محبوب مہمان کی حیثیت سے مقیم رہے اس کے بعد بحث طلب یہ امر رہجاتا ہے کہ حافظ کی شاعری اسوقت کس پایہ کی تھی مگر یہ سوال ایسا ہے جو جواب بھی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ حافظ کا سنہ ولادت معلوم نہیں ہے لیکن اتفاق اسی پر ہے کہ ان کی پیدائش ۷۲۱ھ سے پہلے نہیں ہوئی - ابن یمین کا انتقال ۷۴۵ھ میں ہوا (معلوم نہیں مولانا شبلی نے سنہ وفات ۷۶۹ھ کیسے درج کیا ہے) اس لئے ظاہر ہے کہ ابن یمین کے انتقال کے وقت حافظ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۴ سال کی رہی ہوگی۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ انتقال ابن یمین تک حافظ ابن یمین ہی کے پاس رہے ہوں اسلئے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ انکی شاعری کب شروع ہوئی ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ مکتب سے نکلتے ہی حافظ کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی اور مکتب چھوڑنے کے وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ سولہ برس کی رہی ہوگی - دو تین برس تک یہ یونہی تک بندی کرتے رہے اوسی کے بعد شاید خراسان کا سفر کیا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابن یمین سے ملنے کے وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ سترہ اٹھارہ اور ان کی شاعری کی عمر زیادہ سے زیادہ تین چار برس کی ہوگی -

یہ زمانہ ابن یمین کی شاعری کا آخری زمانہ تھا - وہ نکات تصوف کو شاعرانہ پیرایہ میں ادا کر کے داد حاصل کر رہے تھے کہ حافظ پہونچے - یہ پہلے ہی ظاہر ہو چکا ہے کہ حافظ سے ان کو بہت محبت تھی اس لئے نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ابن یمین خود ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے - یا خود حافظ ان کی نقل و پیروی کرنے لگتے۔ بہر صورت حافظ کی صوفیانہ شاعری ان کی ذاتی شاعری نہیں کہی جا سکتی وہ کسی صورت سے بھی ہو صرف ابن یمین کی تقلید و نقل ہے

ابن یمین کا دیوان تقریباً نایاب ہے اور اس کا کہیں پایا جانا اسقدر مستبعد سمجھا جاتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صاحب ید بیضا ایک نسخہ اس کے دیوان کا دال کی ردیف تک دیکھنا بیان کرتے ہیں - لیکن مولانا شبلی کو اعتبار نہیں آتا اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی غالب قطعات کا دیوان ہوگا - یہ بالکل صحیح ہے کہ سربداروں کے ہنگامہ میں ابن یمین کی غزلیات کا دیوان گم ہوگیا - لیکن اس کے متعلق ایسا شدید جحود و انکار کہ اگر کوئی اس کا دیکھنا بیان کرے تو بھی اس کی تکذیب کر دیجائے۔ کم از کم شبلی ایسے تذکرہ نو[یس]

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگانا چاہئے

کو مناسب نہ تھا۔ ممکن ہے کہ مولانا شبلی کی جستجو اس باب میں ناکام رہی ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن یمین کا دیوان غزلیات کسی جگہ موجود ہی نہ ہو۔ چنانچہ اس کے دیوان کا نہایت قدیم نسخہ میری نگاہ سے گزرا ہے اور اسی کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ حافظ کی صوفیانہ شاعری یکسر ابن یمین کے دیوان سے ماخوذ ہے۔ یہ امر بالکل ثابت ہے کہ ابن یمین کا دیوان اس کی وفات سے چند سال بیشتر گم ہوا اور یہ وہ زمانہ تھا جب حافظ، ابن یمین کے یار دنگار بنے ہوئے ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے پھر اگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ممکن ہے یہ گمشدہ کلام حافظ کے ہاتھ لگا ہو اور اسمیں ردوبدل کر کے حافظ نے "اپنا لیا" ہو (علی الخصوص اسوقت جبکہ ان کی غزل گوئی کا شہرہ ہی اس واقعہ کے بعد ہوا ہے) تو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حافظ کا تصوفانہ رنگ یکسر ابن یمین سے ماخوذ ہے اور ان کی غزلوں کو سامنے رکھ رکھکر طبع آزمائی کی گئی ہے

ابن یمین کی ایک غزل ہے:۔

ساقی بریز جرعۂ وصلت بجام ما　　کز شربت فراق تو تلخست کام ما

اے باد اگر بہ کوئے نگارم گزر کنی　　زنہار عرضہ دہ بہ سگانش سلام ما

مستیم جاوداں ز لب لعل آں نگار　　زاہد خبر نیافت زعیش مدام ما

شاید برابری نکند در دم حساب　　مال حلال زاہد و آب حرام ما

حافظ کی غزل اسی زمین میں یہ ہے:۔

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما　　مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

اے باد اگر بہ گلشن احباب بگذری　　زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم　　اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست　　نان حلال شیخ ز آب حرام ما

دونوں کے مطلع تقریباً ایک ہیں دوسرے شعر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ابن یمین کا چونکہ خاص رنگ یہ ہے کہ وہ آداب عشق کا بہت لحاظ رکھتے ہیں اسلئے انھوں نے (بہ سگانش سلام ما) کہا، مگر حافظ نے بر جاناں پیام ما کہدیا۔ حالانکہ یہ کسی طرح اس ٹکڑے سے اچھا نہیں جو ابن یمین نے رکھا تھا۔ ابن یمین نے آداب عشق کو ملحوظ رکھا ہے "یعنی ہم اس قابل تو نہیں ہیں کہ براہ راست اس کو کوئی پیام بھیجکر اپنے آپ کو اس کا مخاطب صحیح قرار دیں مگر اے باد صبا ہمارا سلام سگانِ کوے جاناں سے کہدینا" حافظ کی شوخ مزاجی نے شعر کے مفہوم کو گرا دیا تیسرے شعر میں گو حافظ کا شعر چست معلوم ہوتا ہے مگر در اصل جس قدر لطیف خیال ابن یمین نے ظاہر کیا ہے وہ حافظ کے تصرف سے برباد ہو گیا۔ ابن یمین کہتا ہے کہ۔ اسکے لب لعلیں کی یاد میں ہم ہمیشہ مست رہتے ہیں اور زاہد کو صرف یہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر موتیا منگائیے

معلوم ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں اسواسطے وہ ہم کو برا جانتا ہے۔ کاش ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس چیز سے مست ہیں تو وہ شراب نوشی کو برا نہ سمجھے۔ بمقابلہ اسکے حافظ صرف اتنا کہتے ہیں کہ "اے ہماری شراب نوشی پر معترض ہونے والے تو ہماری لذت شرب مدام سے بیخبر ہے ہم نے پیالہ میں عکس رُخ یار دیکھا ہے"۔ پیالہ میں عکس رُخ یار دیکھنا ایک دور کی بات ہے۔ اگرچہ یہ مضمون بھی ابن یمین ہی کا ہے جو آگے چلکر کہیں آئیگا جو تھا شعر بالکل ایک ہے۔ مصرع اولے کے الفاظ بھی تقریباً برابر ہیں دوسرے مصرع میں ابن یمین کے یہاں مآل ہے اور حافظ کے یہاں نان۔ ممکن ہے کہ کاتبوں کی تحریف سے نان کا لفظ مآل بن گیا ہو۔

حافظ ابن یمین

جاں بجاناں سپرد و دیدہ بر دیدار داشت اے خوشا صاحبدلے کز بخت برخوردار داشت خرم آں کز نازنیناں بخت برخوردار داشت در نگیرد نیاز عجز ما با حسن دوست

ان دونوں شعروں کا مفہوم ایک ہے اور ابن یمین کا پہلا اور حافظ کا دوسرا مصرع بالکل یکساں ہے۔

اگر بمذہب تو خون عاشق است مباح صلاح ما ہمہ آنست کاں ترا ست صلاح بیا بہ سوئیم اگر قصد کشتنم داری بگو بغمزہ چشمت کہ ہست خون مباح

پیالہ چیست کہ بر یاد تو کشیم مدام و نحن نشرب شربا کذٰلک الاقداح ز لالہ زار جہاں یک پیالہ چوں خوردیم نمود طلعت ساقی درون این اقداح

دونوں کی غزلوں کے مطلع بھی تقریباً ہم مضمون ہیں۔

بروے ہلال محرم بخواہ ساغر راح گزشت توبہ و تقوی و رفت زہد و صلاح

کہ ماہ امن و امان ست و سال صلح و صلاح بہار باد کہ در جام بادہ است صلاح

چونکہ مضمون ابھی بہت باقی ہے اس لئے ہر ایک کی تشریح کو ناظرین کے ذوق صحیح پر چھوڑتے ہیں اور بعض ایسے اشعار درج کرتے ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ نے ابن یمین کے مضامین سے کس قدر فایدہ اٹھایا ہے۔ یہ اشعار صرف وہ ہیں جو ایک نگاہ میں ہم کو دستیاب ہو گئے ہیں اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوشش کیجائے تو سیکڑوں اشعار دونوں کے بالکل ایک ہی مضمون کے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

حافظ کا یہ شعر بہت ہی مایۂ ناز شعر شمار کیا جاتا ہے اور زبان زد ہو کر ضرب المثل کے درجہ تک پہونچگیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ ابن یمین کا خیال تھا جس کو حافظ نے اپنا بنالیا۔

حافظ کا شعر ہے:۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ابن یمین کہتا ہے:۔ روز اول کہ بنام ہمہ کس قرعہ زدند قرعۂ عشق بنام من مسکیں افتاد

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر خریدیے

حافظ نے اگرچہ چستی بندش سے شعر کو بہت کچھ آراستہ کیا ہے مگر اسمیں طلسم بندی الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں ہے پہلے مصرع سے واقعہ کے اُوپر کوئی روشنی نہیں پڑتی کہ یہ کب ہوا اور نہ قرعۂ فال سے کوئی خاص مفہوم پیدا ہوتا ہے تیسرے یہ کہ حافظ نے جس لفظ کو بدل کر دیوانہ رکھا ہے وہ بظاہر بہت چست ہے مگر اسقدر اسمیں نقص ہے کہ دیوانہ کو کسی امر کا ذمہ دار نہیں بنایا جاتا اور وہ غیر مکلف ہوتا ہے جس شخص کے ذہن میں آیت انا عرضنا الامانۃ الخ نہ ہو اس کا ذہن اس واقعہ کی طرف منتقل ہونا غیر ممکن ہے —— برعکس اسکے ابن یمین نے پہلے واقعہ کا وقت بتایا۔ حالات کا اظہار کیا کہ اسوقت سب موجود تھے پھر مسکین کے لفظ سے لفظ انسان کی بموجب آیۂ ظلوماً جہولا پوری پوری تفسیر کر دی۔ حافظ کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں ہے

ابن یمین کو غالباً یہ مضمون بہت ہی پسند تھا اونھوں نے متعدد جگہ یہ مضمون لکھا ہے اور نہایت ہی خوبی سے لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ وہ شعر ہیں جو سرسری جستجو سے دستیاب ہو گئے ہیں۔

روز اول ز حوادث کہ قضا غم زدہ بود
قرعۂ عاشق بیدل ہمہ بر غم زدہ بود

پہلے مصرع کو جس بلاغت کے ساتھ ادا کیا گیا ہے وہ ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔ ایک اور شعر اسی مضمون کا ملاحظہ ہو:-

برائے قتل اسیراں کہ قرعہ افگندند
بنام ہمچو من بے گناہ بیرون شد

اسمیں بھی مصرع اولے میں جس حسن سے اس قصہ کو قتل اسیران بلا سے تشبیہ دی گئی ہے وہ تعریف کی حدود سے مستغنی ہے ابن یمین پھر اسی مضمون کو کہتا ہے۔

با نام کسے فال بزدی نہ برآید
این قرعہ بنام من بیباک توان زد

اتنے شعروں کے لکھنے کے بعد یہ کہنا ایک فضول اور دور از کار بات ہے کہ یہ مضمون صرف ابن یمین کے دماغ سے نکل سکتا تھا اور حافظ نے اسکو لیا بھی تو اس صورت سے ادا نہ کر سکے جیسا کہ چاہئے تھا۔

حافظ کا یہ شعر ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

دیوان ابن یمین میں بہت اسی جگہ مختلف صورتوں سے ملتا ہے جسکی ایک مثال پہلے آچکی ہے اسیطرح اور بھی مختلف ہم مضمون شعر موجود ہیں مثلاً:-

ابن یمین — پنہاں کنم توانم اگر سوز درد را
یا رب چہ چارہ کنم این روئے زرد را

حافظ — سر سودائے تو در سینہ بماندی پنہاں
چشم تر دامن اگر فاش نکردی رازم

ابن یمین — گر بچیزے نخرد بردر او کس مارا
بندۂ آن سر کوئیم ہمیں بس مارا

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر و تیل خرید کیجئے

افظ	اگرچہ دوست بچیزے نمیخرد مارا	بہ عالمے نفروشیم موی از سر دوست
ن یمین	دردا کہ بُرد از من بیدل بیک نگاہ	ماہ دو ہفتہ حاصل ہفتاد سالہ را
افظ	بالابلند عشوہ گر سرو ناز من ؎	کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من
ن یمین	سوز درون ز اشک جگر رنگ بازگشت	بیرون نتاد عاقبت کار راز ما ؎
افظ	از آب دیدہ بر سر آتش نشستہ ایم	گو فاش کرد در ہمہ آفاق راز ما
ن یمین	ما دیدہ ایم در رُخ خوباں جمال حق	یعنی کہ ہست عین حقیقت مجاز ما
افظ	ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما
ن یمین	عمریست تا کہ حسن رخ یار دیدہ ایم	حیران اوست دیدہ معشوقہ باز ما
افظ	دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و عمر	با من چہ کرد دیدہ معشوقہ باز من
ن یمین	ما جاں بزلف یار سپردیم روز و شب	کوتاہ گشت قصہ دور و دراز ما
افظ	بالابلند عشوہ گر سرو ناز من	کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من ؎
ن یمین	بعد صد سال اگر بر سر خاکم گزرد	بادل سوختہ و سینۂ بریاں خیزم
افظ	بعد صد سال اگر بر سر خاکم گزری	سر برآرد ز گلم رقص کناں عظم رمیم

قصہ زہد دراز - اور دیدۂ معشوقہ باز، جو نہایت ہی عمدہ اور منجی ہوئی تشبیہیں ہیں۔ یہ دونوں ابن یمین ہی کی اختراع ہیں جو
ج حافظ کے لئے مایۂ ناز بنی ہوئی ہیں۔

ن یمین	ابن یمین ز عشق بتاں منع کے تواں	چون گشتہ است عین حقیقت مجاز ما
فظ	نقشے بر آب میزنم از گریہ حالیا	تا کے شود قرین حقیقت مجاز ما
ن یمین	چند روزی بوصال تو چہ خوشدل بودیم	باز انداخت فلک جامۂ غم در بر ما
فظ	فلک آوازہ بہر سو کنندم میدانی	رشک مے آیدش از صحبت جاں پرور ما
ن یمین	دردمندیم خبر میدید از سوز درون	دہن خشک ولب تشنہ و چشم تر ما
افظ	دل غم پرور ما ز آتش ہجراں میسوخت	کہ بادآب نمیریخت ز چشم تر ما۔

حافظ کا مندرجہ ذیل شعر نہایت مشہور ہے۔

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم — کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

اسی مضمون کو ابن یمین نے اس طرح ادا کیا ہے:-

حسن زیبائے تو آندم کہ تجلی میکرد　　سروسامان مراعشق تو برہم زدہ بود

ابن یمین ـــــ بنوش بادہ کہ وقت بہاری گزرد　　پیالہ گیر دلا لالہ زار میگزرد

حافظ ـــــ بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند　　چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

ابن یمین ـــــ من ز دریائے محیطم بوطن باز روم　　چون ادیس قرنی سوئے قرن باز روم

سوئے صحرائے جہاں نکہت آن زلف آورد　　پے آن آہوے مشکیں بختن باز روم

حافظ ـــــ خرم آنروز کزین منزل ویران بروم　　راحت جان طلبم درپے جاناں بروم

گرچہ دانم کہ بجائے نبرد راہ غریب　　من ببوی خوش آن زلف پریشاں بروم

اس قدر اشعار کے توازن و تقابل کے بعد ایک شخص یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ کیا واقعی حافظ نے جو رنگ اختیار کیا وہ سراسر ابن یمین ہی کے تتبع کا فیض تھا کیا ان کی زبان کی پاکیزگی لطافت و شیرینی بالکل وہی نہیں ہے جو ابن یمین کے یہاں پائی جاتی ہے اور کیا اگر کسی کو مصنف کا نام نہ معلوم ہو تو حافظ اور ابن یمین کے کلام میں فرق کرسکتا ہے اب ہم اور چند ہمطرح غزلیں پیش کرتے ہیں۔

ابن یمین ـــــ تاکہ من چہرۂ آں ماہ بقامی بینم　　نامسلمانم اگر جز بخدامی بینم

ہر کجای شنوم بوے ترامی شنوم　　ہر طرف می نگرم بوے ترامی بینم

ہیچکس نیست کہ از زلف تو بوی آورد　　مگر این خاصیت از باد صبامی بینم

مشکل است ایدل من جاں بسلامت بردن　　من کہ آں چشم پر از عین بلامی بینم

پرستے کرد غمش ابن یمین جان مرا　　طرفہ شاہے کہ در احسان گدامی بینم

حافظ ـــــ در خرابات مغاں نور خدامی بینم　　وین عجب بین کہ چہ نورے زکجامی بینم

جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو　　خانہ می بینی و من خانہ خدامی بینم

سوز دل اشک رواں آہ سحر نالۂ شب　　اینہمہ از اثر لطف شمامی بینم

خواہم از زلف بتاں نافہ کشائی کردن　　فکر دور است ہمانا کہ خطامی بینم

کس ندیدست ز مشک ختن و نافہ چین | آنچہ من ہر سحر از باد صبا می بینم

ایک اور غزل ملاحظہ فرمائیے :-

ابن یمین

عاشقانرا بسر کوی تو جان خواہد بود | دایما نعرہ و فریاد و فغان خواہد بود
عاشق زار کہ مشتاق جمال تو بود | تا قیامت بجمالت نگران خواہد بود
گر مرا از سر کوی تو بجنت ببرند | دل سودا زدہ ام بے تو چہ سان خواہد بود
گر حجاب تخت از پیش نظر برخیزد | ہمہ جا چہرہ مقصود عیان خواہد بود
تیر دلدوز تو در سینہ من کرد گذر | ہر چہ از سوی تو آید گذران خواہد بود

حافظ

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود | سر ما خاک رہ پیر مغان خواہد بود
چشم آندم کہ ز شوق تو نہد سر بہ لحد | تا دم صبح قیامت نگران خواہد بود
عیب مستاں مکن ای خواجہ کزین کہنہ رباط | کس ندانست کہ رحلت بچہ سان خواہد بود
برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشم من و تو | راز این پردہ نہانست و نہان خواہد بود
بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ | کہ زیارتگہ رندان جہان خواہد بود

اس غزل میں دو تین شعر حافظ کے یہاں نہایت ہی چست ہیں - مگر اس واقعہ سے انکار محال ہے کہ دونوں کے رنگ میں ذرا بھی تغیر نہیں - اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے پس پردہ ابن یمین بول رہے ہیں -

حافظ کا تصوف چونکہ بالکل ابن یمین کا تصوف ہے اسلئے دو چار شعر نہیں اسکو لکھکر دکھانا ایک بیکار بات ہے - اسے ابن یمین کے مستقل مضمون میں لکھا جائیگا جو آئندہ نمبر میں شائع ہوگا - اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ ابن یمین تصوف کو تصوف کے حدود میں رکھتے ہیں اور حافظ چونکہ وہ قدرت نہیں رکھتے اس لئے ان کے یہاں حقیقت و مجاز اور پارسائی و رندی دونوں مخلوط ہوگئے ہیں - ابن یمین جس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں وہ عین حقیقت کے مطابق ہوتا ہے اور شاعرانہ خصوصیت بھی ہات سے نہیں جاتی - حافظ کہیں ان کی نقل میں کامیاب ہوتے ہیں اور کہیں محض لطف شاعری رہجاتا ہے اور اصل مسئلہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی - الغرض حافظ کا تصوف صرف ابن یمین کی نقل ہے، جو بعض جگہ مطابق اصل ہوتی ہے اور بعض جگہ نہیں اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ حافظ کو تصوف سے صرف مقالاتی نسبت تھی - جیسا کہ صاحب تذکرہ مراۃ الخیال لکھتے ہیں کہ "ہر چند معلوم نیست کہ وے بہ یکے از اہل تصوف نسبت ارادت درست کردہ باشد اما سخنانش انچناں بر مشرب این طایفہ واقع شدہ است کہ ہیچکس را اتفاق نیفتادہ"۔

ابن یمین کے دیوان میں صوفیانہ رنگ کے ساتھ انبساطی اور خمریاتی شاعری بھی پائی جاتی ہے، مگر یہ بات کسقدر عجیب ہے

ہر قسم کا عطر و تیل صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے مل سکتا ہے

کہ وہ خراباتی ہونے کے بعد بھی اپنی دلق پارسائی کی ایسی حفاظت کرتے ہیں کہ ایک چھینٹ بھی اس پر نہیں پڑ سکتی۔ حافظ نے یہ رنگ بھی انہیں کی شاعری سے اخذ کیا مگر وہ بہک گئے اور ان کی شاعری ان کی رندانہ و میخوارانہ زندگی کا آئینہ ہو کر رہ گئی ان کا فلسفۂ شعر صرف شراب نوشی تک محدود ہو کر رہ گیا اور ان کی نصیحتیں صرف کلوا واشربوا تک پہنچکر رہ گئیں۔

حافظ جب شراب کی مدح کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے اسیوقت کہا ہے جب وہ سرشار تھے لیکن خوش عقیدہ حافظ پرستوں نے ان کے ہر شعر کو حقیقت کی حدود میں داخل کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کا ساغر وہی کلوار کی دوکان کا کوزہ ہے اور ان کی شراب وہی معمولی تلخ و بدبودار پانی، برعکس اس کے جب ابن یمین اس رنگ میں کہتا ہے تو اس کی شان ہی دوسری ہوتی ہے ملاحظہ ہو:—

اگر مستی کنم عیبم مگوئید   کہ شب تا صبح در میخانہ بودم

ہر کسے مخمور ایں مے بودہ باشد گوئیا   بادہ ارزاں گشت چوں ما ساقی دوراں شدیم

با حریفاں گرچہ در بزم طرب مے می دہند   آنچنیں مے را و لے با ہر کسے کے میدہند

کسے کو جام مے بر عاشقان مست میگرد   کرمہا میکند افتادہ را دست میگیرد

از دست یار ساغر وحدت کشیدہ ایم   در بزم لامکاں ز مکین و مکاں جدا

گفتم بہ کار بر طرف باغ لالہ را   دیدم کہ نیست بادہ شکستم پیالہ را

بادۂ رندان ما در ساغر و پیمانہ نیست   مستی ایں مے پرستاں از خم و خمخانہ نیست

ز چشم مست تو عشاق مے پرست شدند   ہمہ سبو کش بزم مے الست شدند

ز بادہ ہائے فرح بخش و غمزۂ ساقی   بہ نیم جرعہ حریفاں تمام مست شدند

بیاد لعل لبت زاہدان صد سالہ   نشستہ بر در میخانہ ہا ز دست شدند

دوش در سلسلۂ بادہ پرستاں بودیم   از مے عشق ہمہ بیخود و مستاں بودیم

حریفے کو شراب عشق نوشد   دو عالم را بہ یک جرعہ فروشد

کسے کو قطرۂ زیں بحر خورداشت   چو دریا ہم بجوشد ہم خروشد

گر نمی نوشم مے از جام وصالش دمبدم   ہر دم از خود رفتن و با خود خروشیدن جراست

غرضکہ ابن یمین کے یہاں یہ رنگ تمام دیوان میں موجود ہے جو انکی پختگی اور قادر الکلامی کا کامیاب نمونہ ہے اور جسے حافظ نباہ نہ سکے۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا ضرور خریدنا چاہیے

مندرجۂ بالا دو رنگوں کے علاوہ جو رنگ حافظ کے یہاں پائے جاتے ہیں وہ دوسرے لوگوں کا فیض ہیں ابن یمین اور حافظ کی یکجائی کا زمانہ چھ سات سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا حافظ ابن یمین کے سامنے یا اون کے انتقال کے بعد شیراز پھر واپس آئے ہوں گے۔ چونکہ اب ابن یمین موجود نہ تھے اور اُن کو اسی زور و شور کے ساتھ شاعری کرنا تھی اور اب غالباً ان کی کافی شہرت ہو چکی تھی لہذا انھوں نے سعدی اور خواجو۔ سلمان ساوجی کے کلام کو اپنا رہبر بنایا اور اسی رنگ میں کہنے لگے ہم اس بات کے باور کرنے کی کافی وجوہ رکھتے ہیں کہ حافظ کے کلام میں جو کہیں اخلاق اور سوز و گداز ہے وہ زیادہ تر سعدی کے اتباع کا نتیجہ ہے ابتدا میں انھوں نے سعدی کی شاعری کو سامنے رکھکر شعر کہنا شروع کیا چنانچہ ان کی اکثر ہم طرح غزلیں موجود ہیں متعدد جگہ بجنسہ وہی مصرعے پائے جاتے ہیں۔ اور سیکڑوں جگہ اِن کے اور سعدی کے خیالات یکساں ہو جاتے ہیں مولانا شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ "شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں کے راستے الگ الگ ہیں۔ اسلئے موازنہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم متعدد مضمون خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لئے ہیں۔ لیکن ان کے اسلوب کو اس طرح بدلدیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ موتی انھیں قطروں سے بنے ہیں"

میں مولانا شبلی مرحوم کی تحقیقات میں اتنا ہی اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے سب جگہ نہیں بدلا ہے کہیں بدلا ہے اور کہیں وہی مضمون وہی ترکیب وہی تشبیہ بلکہ وہی مصرع موجود ہے۔ مثلاً سعدی کہتے ہیں ؎

مردہ از خاک لحد رقص کناں برخیزد — گر تو بالائے عظامش گزری عظم رمیم

حافظ — بعد صد سال اگر بر سر خاکم گزری — سر برآرد ز گلم رقص کناں عظم رمیم

سعدی — یا مرو با یار ازرق پیرہن — یا بکش بر خانماں انگشت نیل

یا مکن با پیلبانان دوستی — یا بنا کن خانۂ درخورد پیل

یہ دونوں شعر گلستاں میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ گلستاں میں سعدی نے دوسرے کسی شاعر کا کوئی شعر نہیں لیا ہے اور حافظ کا شعر لینا تو ایک ناممکن بات تھی اس لئے کہ حافظ کا اسوقت وجود بھی نہ تھا۔ مگر دوسرا شعر بجنسہ اور پہلا شعر تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اُن کے یہاں موجود ہے۔

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی — یا فرو بر جامۂ تقوی بہ نیل

اس قسم کے اور بہت سے نمونہ مل سکتے ہیں۔ حافظ کی عاشقانہ شاعری میں بھی سعدی کا رنگ ملا ہوا ہے چنانچہ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

سعدی — اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم — تو عشق گلے داری من عشق گل اندامے

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر لکھنؤ سے خریدیے

سعدی ——— توگرچہ امیر و ما فقیریم ولداری دوستاں صواب است
اے گنج نو شدارو باخستگاں نظر کن مرہم بدست و ما را مجروح می گزاری
کنار سعدی ازاں روز کز تو دور فتاد از آب دیدہ تو گوی کنار جیحونست

حافظ ——— بنال بلبل اگر با منت سر یاری ست کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است
در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست اے بادشاہ عشق سخن با گدا بہ گو
چہ عذر از بخت خود گویم کہ آں عیار شہر آشوب بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہاں دارد
ازاں زماں کہ ز دستم برفت یار عزیز کنار دیدۂ من ہمچو رود جیحو نست

مگر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض مستثنیات کو چھوڑ کر حافظ کے وہی شعر سعدی کے اشعار سے ملتے ہیں جنہیں کوئی رمز اخلاق ہوتا ہے۔ ورنہ بقول مولانا شبلی کے راستہ دونوں کا الگ الگ ہے۔ تیسرا نمبر سلمان ساوجی کا ہے جنکی حافظ نے پیروی کی ہے۔ سلمان ساوجی حافظ کا ہمعصر تھا اور خواجہ صاحب نے ان کا کلام خوب دیکھا تھا سلمان مضمون آفرینی اور قصیدہ گوئی کا بادشاہ بلکہ ظہیر فاریابی کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے۔ صفائی مضمون بھی اسکے یہاں بہت ہے مگر اسمیں وہ حافظ سے سبقت نہیں لیجاتا۔ پھر بھی حافظ نے جہاں کہیں مضموں آفرینی کی ہے وہ سب سلمان کا رنگ ہے۔ مثلاً۔

سلمان ساوجی مائیم بستہ دل در لعل دلکشا یت آں لب بخندہ بکشا تا دل شود کشادہ
حافظ زین زہد و پارسائی بگرفت خاطر من ساقی پیالۂ دہ تا دل شود کشادہ

دونوں مضمونوں میں تھوڑا سا ربط ہے باقی علٰحدہ علٰحدہ ہیں

سلمان رندی و عاشقی و قلاشی ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست
درون صافی از اہل صلاح و زہد بجوئے کہ این نشانۂ رندان دردی آشام است
مکن ملامت رنداں دگر بہ بدنامی کہ ہر چہ ہیش تو ننگ ست نزد ما نام است
غرض ز کعبہ و بتخانہ تو ئی سلمان را بحکم خانۂ بجا نہ خدا باید رفت
من ازاں روز کہ در بند توام آزادم بادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم
شاہد آں نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل شاہد آن ہست کہ این دارد و آنے دارد

حافظ عاشق و رند نظر بازم و میگویم فاش تا بہ دانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام
راز درون پردہ ز رندان مست پرس کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

چھعز علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں — مانمی خواہیم ننگ و نام را

جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو — خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

فاش میگویم وز گفتۂ خود دلشادم — بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

شاہد آں نیست کہ موی و میانی دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حافظ خود اعلیٰ مضامین کے کہنے پر قادر نہ تھے نہیں بلکہ بحث صرف اتباع سے ہے کبھی وہ خود بھی اچھے مضامین کہہ جاتے ہیں اور کبھی سلمان کے کلام سے فائدہ اٹھا کر مضمون پیدا کرتے ہیں۔ چوتھا شخص خواجو کرمانی ہے جسکے اکثر شعروں کا حافظ نے اتباع اور اس کا اعتراف بھی کیا۔ چنانچہ حافظ لکھتے ہیں :-

استاد سخن سعدی است نزد ہمہ کس اما — دارد غزل حافظ طرز و روشِ خواجو

خواجو میں چند شاعرانہ معمولی خوبیاں ہیں مثال کے طریق پر چند مثالیں شعر العجم سے لیکر درج کرتا ہوں ان کے لئے زیادہ لکھنا اسواسطے بیکار ہے کہ حافظ خود ہی اُن کے اتباع کے مقر ہیں۔

خواجو کرمانی

خرقہ رہن خانۂ خمار دارد پیر ما — اے ہمہ رنداں مرید پیر ساغر گیر ما

گر شدیم از بادہ بدنام جہاں تدبیر چیست — ہمچنیں رفت است اندر ورز ازل تقدیر ما

تا دل دیوانہ در زنجیر الفت بستہ ایم — اے بسا عاقل کہ شد دیوانۂ زنجیر ما

از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو — کز کمان نرم زخمش سخت باشد تیر ما

حافظ

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیر ما — چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

در خرابات مغاں ما نیز ہمدستاں شویم — کاینچنیں رفتست در عہد ازل تقدیر ما

عقل اگر داند کہ دل دربند زلفش چوں خوش است — عاقلاں دیوانہ گردند از پے زنجیر ما

تیر آہ ما ز گردوں بگزرد حافظ خموش — رحم کن برجان خود پرہیز کن از تیر ما

اگر تلاش کیجئے تو حافظ کی بہت سی غزلیں خواجو کے مضامین سے بھری ہوئی ملیں گی۔ الغرض خواجہ حافظ کی شاعری ایک معجون مرکب ہے اور اسکو ایسا ہونا چاہیے تھا کیونکہ اُن کی شاعری یکسر ابن یمین۔ سعدی شیرازی۔ سلمان ساوجی۔ خواجو کرمانی کا تتبع تھی جس میں عنصر غالب کی حیثیت ابن یمین کے رنگ کو حاصل ہے۔

آر۔ گس

نوٹ :- آیندہ اشاعت میں ابن یمین کے کلام پر بسیط تبصرہ درج ہوگا جس سے اس مضمون کے سمجھنے میں اور زیادہ مدد ملیگی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر ہر موسم میں استعمال ہوتا ہے۔

لارڈ رپن کا عہد حکومت

(بسلسلۂ ماسبق)

بمبئی

۱۴ فروری —— ۱۱ بجے بمبئی پہنچے۔ مصر کے متعلق یہ خبر آئی ہے کہ سنقط پر مہدی نے قبضہ کر لیا ہے۔ آئندہ یہ خبر آئیگی کہ خرطوم پر بھی مہدی قابض ہو گیا ہے اور یہ کہ جنرل گارڈن قتل کر دیا گیا ہے اس کے بعد باقاعدہ سوڈانی مہم کا آغاز ہو جائیگا۔ میں ہندستانی افواج کے میدان جنگ میں بھیجنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرونگا

۱۸۔ فروری —— گارڈن خرطوم میں پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے اعلان شایع کیا ہے کہ آئندہ سے غلاموں کی تجارت آزادانہ کھلی رہیگی۔ میری ہمیشہ سے یہ رائے رہی کہ اسوآن تک مصر کی سرحد محدود کر دی جائے اور جنوبی مصر میں غلامی کا سدباب کر دیا جائے اور یہ کہ دوسرے مقامات میں غلامی کو بند کرنے کی کوشش کیجائے "غلاموں کی تجارت کو روکنے والی انجمن" غلامی کا سدباب کرنا نہیں چاہتی۔ ان کی روزی کا تمام تر انحصار اسی پر ہے

۱۹۔ فروری —— سر جیمس فرگوسن (گورنر بمبئی) کے ساتھ پریل میں کھانا کھایا۔ میری اُن سے پرانی ملاقات ہے وہ قدیم خیال کے اچھے آدمی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا ترقی کر رہی ہے۔ وہ سختی کے ساتھ اس عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی نظم و نسق بہترین ہے اور یہ کہ افسران دیسی باشندوں کی بھلائی کے سوائے اور کوئی خواہش نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ کسان لوگ ہماری حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سات سال پیشتر ایک مرتبہ برہمن نے بغاوت پھیلانے کی کوشش کی تھی لیکن لوگوں نے اسکے وعظ پر کان نہیں دھرا اس کی بناپر ان کا خیال ہے کہ انقلاب کا کوئی خطرہ موجود نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مہدی کے ساتھ جنگ کرنے کو لوگ بالعموم پسند کریں گے جہاں تک بمبئی کا تعلق ہے یہ خیال صحیح ہے اسلئے کہ جنگ کے زمانہ میں ملازمتیں اور ٹھیکے مل سکیں گے۔ میں نے اپنے جذبات کا صاف صاف اظہار کر دیا ہے انھوں نے چند دن تک گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کی دعوت دی ہے۔

۲۰۔ فروری —— شاہزادہ آغاخاں سے ملنے کے لئے گئے۔ وہاں ایک ایرانی مولوی سے مہدی کے متعلق گفتگو رہی وہ کہتے ہیں کہ وہ مہدی نہیں ہے کیونکہ اسکے لئے شیعہ ہونا ضروری ہے' بہر حال وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ اسکی حکومت انگریزی حکومت سے بدرجہا بہتر ہوگی۔ آغاخاں کی قطعی رائے میں حاصل نہیں کر سکا۔ ان کے والد ایران میں ایک فرقہ کے سرگروہ تھے جہاں سے وہ چند ہزار مریدوں کے ساتھ بمبئی آئے اور آج تک انھیں تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ان کے بیٹے میں باپ کی بہت کچھ خوبیاں موجود ہیں لیکن وہ دنیا کی جانب زیادہ راغب معلوم ہوتے ہیں۔

محمد علی رو گئے اور ترکی قونصل علی بک نے ہمارے ساتھ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگایئے

کھانا کھایا۔ ہم نے ٹرکی کے معاملات پر بحث کی علی بک کا خیال ہے کہ اسلام کا مستقبل سلطنتِ عثمانیہ کے قیام کے ساتھ مضمر ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ انتظام سلطنت میں تبدیلی کیجائے اسلئے کہ اسلامی آبادی دن بدن کم ہو رہی ہے وہ چاہتے ہیں کہ سلطان المعظم کے اختیارات میں کمی کردیجاؤ اور حکومت کی باگ کونسل کے ہاتھ میں ہو۔ سرکاری زبان ترکی کے بجائے عربی میں ہو اور یہ کہ صوبجات کی آمدنی صوبجات ہی کی بہتری میں صرف کیجائے

۲۲۔ فروری ـــــ گھوڑوں کے بیوپاری عبدالرحمن سے مسلمانانِ بمبئی کے حالت کی نسبت بات چیت رہی روگھے کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس نے دو زبردست غلطیاں کی ہیں:۔ ایک تو یہ کہ وہ سید احمد کے مقلد ہیں اور دوسرے یہ کہ سیاسیات سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس اختلاف رائے کے باوجود دونوں دوست ہیں، عبدالرحمن مقامی انجمنِ اسلام کے وائس چیرمین ہیں مگر سچے عرب کی طرح ان کا دل گھوڑوں میں لگا رہتا ہے۔

۲۳۔ فروری ـــــ سالار جنگ کا موعودہ خط مل گیا اس میں وہ طلاع دیتے ہیں کہ نظام حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ کہ وائسرائے نے مہر پسندیدگی ثبت کردی ہے اور کام کی تکمیل کی غرض سے مجھے حیدرآباد بلایا ہے مگر میں اب انگلستان واپس جانے کی فکر میں ہوں۔ غلام محمد منشی ملنے کے لئے آئے وہ سر سید کے مقلد ہیں اور انجمن اسلام کے بانیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے بمبئی کے مسلمانوں کے چند حالات بھی بتائے ہیں۔ آغا خاں کے ۲۰ ہزار مرید ہیں جو خود کو شیعہ کہتے ہیں مگر وہ نام ہی کے مسلمان ہیں اسلئے کہ وہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں یہ لوگ خوجے کہلاتے ہیں ان کی ابتدا کچھ سے شروع ہوئی۔ آغا خان مرحوم نے انہیں سختی سے مدارس میں تعلیم پانے سے روکا بمبئی کے قدیم مسلمان کوکنی کہلاتے ہیں۔ وہ شافعی ہیں اسلئے کہ انہیں عربوں نے مسلمان بنایا تھا۔ انھوں نے کہا کہ مولوی تعلیم کے سخت مخالف ہیں لیکن وہ ہر جمعہ کو انجمن کے جلسہ میں ضرور شریک ہو جاتے ہیں گونے (Gonne) کے یہاں کھانا کھایا۔ وہیں سر ولیم ویڈر برن (Sir William Wedderburn) سے بات چیت رہی بلاشبہ بہت اعلیٰ درجہ کے آدمی ہیں زراعتی مسائل پر گفتگو رہی۔ وہ لارڈ رپن کی لوکل سلف گورنمنٹ اسکیم کے بیحد مداح ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے بہت فائدہ پہنچیگا بعض زراعت کے بل پر ہندوستان کے لوگ زندہ نہیں رہ سکتے۔ قدیم زمانہ میں سے زائد پیشہ کے طور پر کیا جاتا تھا لیکن اب سارا دار و مدار اسی پر ہے پہلے زمانہ میں لوگ جلاہے، ہنر مند مزدور اور کسان ہوا کرتے تھے اور اب چونکہ یہ تمام تجارتیں بند ہو گئی ہیں اس لئے وہ محض زمین کی پیداوار پر گزارہ نہیں کرسکتے انھوں نے تمام صوبوں میں دوامی بندوبست آراضی کی ضرورت پر مجھ سے اتفاق رائے کیا کل پھر گفتگو ہوگی۔

۲۴۔ فروری ـــــ سر جمشید جی جیجی بھائی ملاقات کو آئے اور پرنج خوشنان کو کھانے کے لئے مدعو کیا۔ یہ بہت سادہ مزاج نوجوان ہیں اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بیلاگ معاملات میں ایمانداری برتنے کے خوگر ہیں لیکن سیاسیات سے محترز رہتے ہیں۔ اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ پارسی اینگلو انڈین حضرات اور ہندوستانیوں کے باہمی جھگڑے میں موخرالذکر کا ساتھ نہیں دینگے۔ راست کے ایڈیٹر نے مجھ سے اس مسئلہ پر بہت طویل گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں کہ بارہ سو سال ہوئے کہ پارسی ایران سے آئے تھے ہندوؤں نے انہیں اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ ایک تو یہ کہ گائے کا گوشت نہ کھائیں اور دوسرے یہ کہ شادی بیاہ کے مواقع پر ہندو رسوم برتیں ہم پر طرح طرح کے مظالم ہوئے اور ہماری ہر تحریک کو سختی کے ساتھ دبا دیا گیا جبتک انگریز بمبئی میں نہیں آئے ہمیں ہر وقت خدشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں ہماری نسل منقطع نہ ہو جائے اسی وجہ سے ہم انگریزی راج کی حمایت کرتے ہیں۔ یہاں ہم بہت مالدار اور خوشحال ہوگئے اور تعلیم

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہمیشہ عطر منگائیے

ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا کی کہ ہم سیاسیات میں حصہ لینا شروع کردیں ہوم رول کے لئے جو تحریک ہندو شروع کر رہے تھے اسمیں ہم ان کے ہم آہنگ ہیں ہم کسی حالت میں انگلستان سے اپنا تعلق منقطع کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ہمارے لئے مفید ہے۔ میں نے ان کے دستوروں کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگے کہ وہ بہت جاہل ہوتے ہیں ہماری تمام رسوم زندگی اور ایجاتی ہیں جسے بہت کم پارسی سمجھ سکتے ہیں۔ مالدار پارسیوں نے سرکاری تعلیم سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اگرچہ انہیں بھی مسلمانوں کی طرح مذہبی تعلیم کی کمی کی شکایت ہے۔ میرا خیال ہو کہ انگلستان میں جاکر تعلیم پانے کی تجویز پارسیوں کے لئے مضر ہے اگرچہ میں نے خود سول سروس کے امتحان کے لئے اپنے بیٹے کو بھیج رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ بگڑ کر آتے ہیں پارسی کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنی پھوپھی سے شادی کرلی۔ میں نے مصری اور سوڈانی معاملات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے اپنے اخبار میں ہندوستانی افواج کے بھیجنے کے خلاف سلسلہ مضامین لکھنا شروع کردیا ہے۔

۴ بجے سر ولیم ویڈربرن آئے۔ ان سے طویل گفتگو رہی وہ حسب ذیل اصلاحات کو ضروری خیال کرتے ہیں:۔ (۱) سول لسٹ کے لئے مقررہ رقم کا تعین کیا جائے تاکہ دفاتر میں بیشی کرنا ناممکن ہو جائے موجودہ حالت یہ ہو کہ ممبران کونسل کے بیٹوں، بھتیجوں اور چچا زاد بھائیوں کو سول سروس میں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ انہیں دو سو تین سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہو اور چونکہ اس سے گذارہ نہیں ہوتا اسلئے وہ اپنا کام بُری طرح کرتے ہیں۔ دو سو تین سو روپے کے عہدے سول سروس کے ہندوستانی افسروں کے لئے نعمت خیال کئے جائیں گے سر ولیم کا یہ خیال ہے کہ انگریز سویلینوں کی تعداد کم ہونی چاہئے مگر ان کی تنخواہ اچھی ہونی چاہئے۔ فی الحال بلا ضرورت اسمیں اضافہ کیا جارہا ہے (۲) لندن میں انڈیا کونسل کا خاتمہ کردینا چاہئے چونکہ اس کے سب ممبر سی سروس کے آدمی ہوتے ہیں اس لئے ان سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ غیر جانبدار ہوکر فیصلہ دیں گے۔ (۳) وہ تمام صوبوں میں بندوبست دوامی کے موافق ہیں لگان کی مقدار اخراجات وضع کردینے کے بعد منافع کا ۱/۲ حصہ ہونی چاہئے۔ (۴) اس امر کا اختیار ہونا چاہئے کہ خواہ لگان زر کی صورت میں دیا جائے یا جنس کی صورت میں۔ (۵) زراعتی بنک کھولے جائیں۔

انھوں نے لارڈ لٹن کے عہد حکومت کی آخری حالت کا نقشہ کھینچا اور بتایا کہ مسلح گروہ ہر جگہ پھرتے نظر آتے تھے۔ لوگوں کو ان سے ہمدردی تھی صوبہ بمبئی میں سر رچرڈ ٹمپل اس حالت کے پیدا کرنے کے بہت زیادہ ذمہ دار تھے ٹمپل بے اصول آدمی تھے وہ اینگلو انڈین باشندوں کی آہ و بکا میں ساتھ دینے کے عادی تھے چنانچہ قحط کے زمانہ میں جب صدا بلند کی گئی کہ ہر امکانی طریقہ سے انسانی زندگی کو بچایا جائے تو اسوقت انھوں نے ہر اسٹیشن پر اناج کا بہت سا ذخیرہ جمع کرا دیا جسکا بہت سا حصہ ضائع گیا اور انھوں نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ روزانہ دو پونڈ اناج دیا جائے اور جب اس تقسیم سے ملک میں زیادہ تباہی پیدا ہونے لگی تو انھوں نے یہ حکم نافذ کیا کہ ایک پونڈ کافی ہے محکمۂ جنگلات کے سخت قوانین کی ذمہ داری بھی انہی کے سر ہے۔ چونکہ اسوقت یہ صدا بلند کی گئی تھی کہ شہتیر کو بچایا جائے اس لئے انھوں نے ایک حکم کے ذریعہ تمام اضلاع کے شہتیر کو ضبط کرلیا۔

سر فرینک ساوٹر (Sir Frank Souter) کے ساتھ کھانا کھایا عبدالرحمٰن اور قمر الدین طیب جی اور دو پارسی بھی موجود تھے سر فرینک کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ ہندوستانیوں کے ہمدرد ہیں اور اگرچہ وہ نہایت شریفانہ دل رکھتے ہیں تاہم ان کے ہر لفظ سے ہندوستانیوں کی بیعزتی کا اظہار ہوتا ہے۔ اینگلو انڈین اور ہندوستانی جب کبھی جمع ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے جلسہ میں رونق نہیں ہونے پاتی گفتگو بھی صداقت سے خالی ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی فریق دلی جذبات کا اظہار نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اگر صورت حالات کو ٹھیک طریقہ سے بیان کیا جائے تو وہ حسب ذیل ہوگی۔

ساؤتھ۔ "تمہارے آنے سے مجھے خوشی ہوتی ہے اور تم میرے معزز مہمان ہو اس لئے کہ میں شریف انگریز ہوں اور میں اسے مناسب خیال کرتا ہوں کہ ہندوستانیوں سے شائستہ سلوک روا رکھا جائے۔ لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ ابھی تک تم لوگ نیم وحشی ہو اور اس لئے امید ہے کہ تم گستاخ نہ بنوگے"۔

ہندوستانی مہمان "ہم آپ کے ساتھ کھانا کھانے آئے ہیں کیونکہ حکام سے مراسم رکھنا اچھی بات ہو لیکن آپ لوگ شراب کا چھٹا گلاس پینے کے بعد ذرا وحشی بن جاتے ہیں"۔

یہ دیکھنا حیرت انگیز ہے کہ ہندوستان میں کسقدر شراب استعمال کیجاتی ہے

۲۵-فروری — مالاباری سے اپنی تجاویز کے متعلق طویل گفتگو رہی۔ انھوں نے پوری امداد کا وعدہ کیا ہے مسٹرل کے ساتھ یاٹ کلب (Yacht Club) میں لنچ کھایا یہ صاحب طویل القامت اور خشک مزاج ہیں اور ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ افغانستان کو ملحق کر لیا جائے اور وہاں مجھے جج بنا کر بھیجدیا جائے۔ ان کے ہمراہ جنرل لا تھے۔ انھوں نے اپنے چپراسیوں کی رائے بیان کی اور کہا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانان ہندوستان مہدی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر بلین (Dr Blane) کے ساتھ کھانا کھایا۔ لیڈی مس اور مس ٹ بھی موجود تھیں۔ قبل الذکر نے شکایت کی کہ گورنمنٹ اینگلو انڈین افسروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی اور یہ کہ انہیں ہندوستان سے اسقدر نفرت ہے کہ ہندوستان میں ٹھہرانے کی خاطر انہیں معقول معاوضہ ملنا چاہئے۔ ہندوستان ان کے بغیر کیا کر سکتا ہے اور انگلستان کی ہندوستان کے بغیر کیا حالت ہوگی؟ انگلستان ہندوستانی افواج کے بغیر کس طرح افغانستان کو فتح کر سکتا ہے؟ وہ مصر کو کیونکر فتح کر سکتا تھا؟ بہرحال یہ ایک مخلص عورت ہے۔ مس ٹ چاہتی ہیں کہ ہندوستانی کسانوں کی زراعتی حالت کو اس طرح سے ترقی دی جائے کہ انہیں میوہ دار درخت لگانے اور میوے فروخت کرنے کی غرض سے باغ رکھنے کی ترغیب دی جائے وہ چار مہینے سے ہندوستان میں ہیں لیکن بمبئی سے آگے ان کا قدم ابھی تک نہیں بڑھا۔

۲۶-فروری — کولھا پور کے دیوان ملنے کے لئے آئے انھوں نے سر رچرڈ ٹمپل کے متعلق سر ولیم ویڈر برن کی رائے کی تصدیق کی اور کہا کہ گورنروں میں وہ سب سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ انھوں نے ناواقفیت کی بنا پر کبھی غلطی نہیں کی بلکہ اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ اپنی ہی ترقی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ ویڈر برن کسانوں کے بہت بڑے ہمدرد ہیں۔ لیکن بنکوں کے بارے میں ان کی اسکیم کی کامیابی پر اپنا شک ظاہر کیا۔ وہ فرگوسن کو پسند کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ انھیں دنیا کے واقعات کی کچھ خبر نہیں۔ حیدرآباد سے فوٹو آ گئے ہیں جس میں کارڈری کے برابر اور وائسرائے کے پیچھے کھڑا ہوا ہوں اس فوٹو میں مذاق کا پہلو مضمر ہے اور اس لئے میں اپنے مختلف دوستوں کو تجویز یونیورسٹی کی کامیابی کی یادگار میں اس فوٹو کی نقول بھیجونگا اس سے ان کی ہمت بڑھیگی

۲۷-فروری — بمبئی گزٹ میں یونیورسٹی کی نسبت ایک مضمون شائع ہوا ہے یہ مضمون ہمارے موافق ہے اور طرز تحریر بھی شائستہ ہے صبح کے کھانے کے وقت میں نے سر جیمس فرگوسن سے کہا کہ میں ہندوؤں اور پارسیوں کے جلسہ میں جانیوالا ہوں اور اس لئے مجھے گاڑی کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مجھ سے بلا تامل کہدیا ہے کہ میں تمہارا جانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن جب میں نے یہ تشریح کی کہ جلسہ عام نہیں ہے اور یہ کہ اسکے صدر کاشی ناتھ تلنگ ہیں جو بمبئی کی کونسل کے ممبر ہیں تو جانے پر اظہار رضامندی کر دیا لیکن انھوں نے مجھ سے نہایت سنجیدگی اور زور سے اس خطرہ کا ذکر کیا جو ہندوستانی

صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کا عطر ہندوستان بھر سے اچھا ہوتا ہے۔

شکایات کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے اور ان کے دلوں میں جوش پیدا کرنے سے رونما ہوسکتا ہے۔ اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ میں انگریز ہونے کی حیثیت سے کس طرح ایسی کارروائی کا مرتکب ہوسکتا ہوں۔ حکومت ہند مطلق العنان تو ہے مگر ساتھ ہی ماں باپ کی محبت کا عنصر بھی اس میں موجود ہے گورنمنٹ رات دن لوگوں کی فلاح وبہبودی کے کام میں مصروف رہتی ہے اور اگر ایجیٹیشن ہوئی تو ہمارے اس کام میں رکاوٹ پیدا ہوجائیگی۔ بلاشبہ ایسے بھی ہندوستانی موجود ہیں جو گورنمنٹ کی خلاف شکایات کا طومار باندھ کر ذاتی مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن انکی داستانیں سب کی سب جھوٹ ہیں۔ خود میرا ذاتی تجربہ ہے کہ سرکاری افسر ہر وقت فلاح وبہبود کے کام میں سچائی کے ساتھ مصروف رہتے ہیں اور لوگ بھی انہیں ظلم کے خلاف اپنا محافظ قرار دیتے ہیں میرا یقین ہے کہ اس گورنمنٹ سے بہتر کوئی اور گورنمنٹ صفحۂ دنیا پر موجود نہیں یا کم سے کم کوئی اور حکومت ایسی نہیں جسکا اس قدر احترام کیا جاتا ہو" اتنا کہنے کے بعد انھوں نے پوچھا کہ تم کن کن مسائل پر بحث کروگے اور یہ توقع ظاہر کی کہ سیاسیات پر تقریر نہ کیجائیگی۔ کوئی شخص سر جیمس کی نیت اور وفاداری پر شبہہ نہیں کرتا۔ لیکن وہ کون لوگ ہیں جو ان کی آنکھیں، ہاتھ اور کان بنے ہوئے ہیں؟ ان کا چپراسی ان سے کہتا ہے کہ مسلمانان ہندوستان مہدی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، مسٹر فرینک ساوٹر جو انھیں پولس کے افسر اعلیٰ اور ہندوستان کے بہی خواہ کی حیثیت سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی باتوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، مسٹر ل جو اپنی عدالت کی حدود کو افغانستان تک وسیع کرنا چاہتے ہیں اور کمانڈر انچیف وغیرہ ہیں جنھوں نے ان سے کہا کہ میں یہ وعدہ تو نہیں کر سکتا کہ سیاسیات کو ہاتھ نہیں لگاؤنگا لیکن میں جوش دلانے والی کوئی بات جلسہ میں بیان نہیں کرونگا اور ساتھ ہی ساتھ مجھے اس کا یقین ہے کہ میری ہمدردی سے ان میں اُس سے زیادہ بے چینی نہیں بڑھیگی جتنی کہ اب پائی جاتی ہے انھوں نے پوچھا کہ ان کی شکایات کیا ہیں اور میں نے بطور مثال یہ بیان کیا کہ حقیقی معنوں میں کوئی ایسی عدالت موجود نہیں جہاں ان کی شکایات رفع ہوسکتی ہوں۔ اس پر انہیں طیش آگیا اور کہا کہ اس سے زیادہ جھوٹ بات کوئی نہیں ہوسکتی۔ مجھ سے روزانہ اپیلیں کیجاتی ہیں اور اعلیٰ حکام اور میں خود ماتحت افسروں کے فیصلوں کو بدلتا رہتا ہوں۔ ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ غربا کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ چند روز کا واقعہ ہے کہ مجھے ایک افسر کو اس بنا پر ڈانٹنا پڑا کہ اس نے نہایت سخت الفاظ میں شکایت کی تھی۔ اس نے یہ لکھا تھا کہ گورنمنٹ باشندوں کو تباہ کر رہی ہے اور یہ کہ ان سے کہیں بھی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ میں نے کہا کہ آپ نے اسے ڈانٹا تو سہی کہنے لگے کہ اُس نے سخت الفاظ استعمال کئے تھے میں سر جیمس کو اس بنا پر پسند کرتا ہوں کہ وہ کھرے آدمی ہیں اور جو بات دل میں ہوتی ہے اسکو وہ صاف صاف بیان کردیتے ہیں۔ لیکن لامبارڈی کے آسٹروی حکام مساوی طور سے یہ یقین نہیں رکھتے تھے کہ ہماری حکومت دنیا میں بہترین ہے، اور وہاں کے باشندوں نے ان کے خلاف بغاوت نہیں کی اور انہیں نکال باہر نہیں کیا؟ بدنیتی اور دشمنی سے جو شے زیادہ خطرناک ہے وہ جہالت ہے۔

" جلسہ میں گیا میں نے اپنی تقریر میں زراعت اور مالیات سے بحث کی۔ مقامی مالیات کے متعلق جلسہ کی یہ رائے تھی کہ وہ اطمینان بخش نہیں ہے لگان آراضی کی زیادتی کی شکایت کی گئی۔ ایک مقرر نے کہا کہ قدیم زمانہ میں ہم اپنی زمین کو بہت بڑا سرمایہ خیال کرتے تھے لیکن اب ہم اس سے

ہر قسم کا عطر صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

اجتناب کرتے ہیں۔ اگر بندوبست آراضی دوامی کر دیا جائے تو ہم بھی بنگال والوں کی طرح اپنا روپیہ اس میں لگانا شروع کر دیں گے۔ اس طریقہ سے ساری زمین سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آجائیگی۔ لیکن گورنمنٹ کی تمام تر پالیسی یہ رہی ہے کہ بیچ کے آدمیوں کو کم کرے جنھیں وہ نکھٹو خیال کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ شہد کے مناسب حصہ کو اس تک پہنچنے میں مانع ہیں۔ یہ کفایت شعاری کا قدرتی قانون ہے جسمیں بنک کا قانون نقصان پہنچائے بغیر دخل اندازی نہیں کر سکتا! جلسہ دوامی بندوبست آراضی کی تائید میں تھا اور اعلی یہ رائے تھی کہ یہی حل ساری زراعتی مشکلات کا خاتمہ کر سکتا ہے میں نے لگان کی مقدار کے متعلق دریافت کیا تو تھوڑی بحث کے بعد یہ بات ظاہر کی گئی کہ بمبئی کے لئے مجموعی پیداوار کا تہائی حصہ غیر مناسب نہ ہوگا۔ گجرات نہایت زرخیز مقام ہے مگر وہاں بہت زیادہ لگان لیا جاتا ہے۔ کوؤں پر ٹیکس لگایا جاتا ہے اور اس کے باعث سے لوگ نئے کوئیں کھودنے میں تامل کرتے ہیں میں نے سر جیمس کا یہ قول سنایا کہ "کوئی ظلم ایسا نہیں جسے رفع نہ کر دیا گیا ہو" اسپر قہقہہ بلند کیا گیا۔ راؤ شنکر[۵] نے جو گورنمنٹ بمبئی کے اورینٹل ٹرانسلیٹر ہیں اور جنپر سر جیمس فرگوسن کو سب سے زیادہ اعتماد ہے، یہاں تک بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ لگان کے خلاف کوئی اپیل کی گئی ہو اور اس کا جواب باصواب ملا ہو۔ حاضرین نمک کے محصول کے خلاف تھے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ چونکہ ٹیکس بڑھانے کی ضرورت ہے اس لئے آپ لوگ اسے کس طرح بڑھائیں گے انھوں نے کہا کہ مال درآمد کے ذریعہ ہم ان سب پر محصول بڑھا دینے کے خواہشمند ہیں اسلئے کہ صرف مالدار اشخاص پر اسکا اثر پڑیگا۔ میں نے انکم ٹیکس سے متعلق سوال کیا تلنگ اس کی تائید میں تھے مگر مسٹر فریدونجی۔ سی۔ آئی۔ ای سخت خلاف تھے اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان والے اس ٹیکس سے خوش نہیں ہیں۔ ۵۰۰ روپیہ سالانہ کی آمدنی والے اس سے مستثنیٰ ہیں جب میں نے یہ بیان کیا کہ سر جیمس کو اندیشہ ہے کہ کہیں میں اپنی تقریر سے آپ لوگوں کے خیالات کو متاثر نہ کروں، تو وہ بہت مسکرائے یہ سب لوگ کونسل و کارپوریشن کے ممبر ہیں اور بعض بڑے بڑے افسر ہیں۔ آخر سر جیمس کو کہاں سے اطلاعیں ملتی ہیں؟ وہ کونسے ہندوستانی ہیں جو مطمئن ہیں؟ جب سے میں ہندوستان میں آیا ہوں مجھے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا۔ ہم نے براہ راست سیاسیات پر گفتگو نہیں کی۔

محمد علی رودگھے کے یہاں کھانا کھایا۔ مہدی، ترکی سلطنت اور یونیورسٹی کے بارے میں طویل گفتگو رہی سب چاہتے ہیں کہ مہدی کامیاب ہو۔

۲۸ فروری — ناشتہ کے بعد سر جیمس سے بہت دیر تک گفتگو کی انھوں نے نمک اور محکمہ جنگلات کے ٹیکس کی خرابی کو تسلیم کیا اور کہا کہ موخر الذکر کی خرابی کو رفع کیا جائے۔ ڈنر کے موقع پر میں مسٹر ویسٹ کے پاس بیٹھا وہ بہت ہوشیار آدمی ہیں اور کسی وقت تمکنت اور غرور کے لباس کو نہیں اتارتے بردباری نام کو نہیں وہ یہاں کی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں انھوں نے اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز پر سختی سے نکتے کئے ان کی رائے میں مسلمان متعصب اور تقدیر کے قائل ہوتے ہیں اور اس لئے انمیں کوئی اصلاح کامیاب نہیں ہو سکتی انھوں نے اسکندریہ کی یونیورسٹی جلائی تھی۔ ان کا مذہب زمانہ کے مطابق چلنے کا حکم نہیں دیتا۔ روما میں پاپائی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کی قوم کیا کریگی؟ مساجد کے بغیر اس کا گذارا کس طرح ہوگا؟

---

۵ ان کا پورا نام ونایک راؤ واسدیو نولکر تھا۔ مترجم

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی وہ دکان بہت مشہور ہے

۲۹- فروری ـــ فرگوسن اب بہت اخلاق سے ملتے ہیں۔ کئی امور میں ہمارا ان کا اتفاق رائے ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ وہ مال ور آمد کے محصول کو بڑھا دینے کے موید ہیں اور نمک کے محصول میں کمی ہو جانے کے خواہشمند ہیں۔ بندوبستِ دوامی کے بھی وہ کچھ زیادہ خلاف نہیں رہے ہم متفق تھے کہ دیسی ریاستوں کو بھی غیر مسلح کر دیا جائے میرا خیال تھا کہ وہ اس پر رضامند ہو جائینگے مگر وہ کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ میرا یقین ہے کہ وہ نرم دل مستبد ہیں۔ مگر وہ اپنے حکام کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

"مالاباری سے ملکر ہم نے یہ انتظام کیا ہے کہ وہ اپنے اخبار کے ذریعہ یونیورسٹی کی تجویز کی تائید کریں گے حامد بک کے یہاں کھانے کے لئے گئے۔ رو گھے، بدرالدین طیب جی اور دوسرے لوگ بھی مدعو تھے اس کے بعد انجمن اسلام کے جلسہ میں گئے جہاں ۵۰۰ آدمی تھے۔ انھوں نے مجھے ایڈریس دیا اور میں نے اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ ظاہر کئے آج کی رات آسمان کا نظارہ بہت ہی دل لبھانے والا تھا۔ ہلال اور ستارہ دونوں قریب قریب تھے یہ شگون ہے اس بات کا کہ مہدی کو یا تو سواکن میں فتح حاصل ہوئی ہے اور یا خرطوم نے ہتھیار ڈالدیئے ہیں میں نے اس سے پیشتر چاند اور ستارے کو اسقدر قریب کبھی نہیں دیکھا تھا۔

۱- اپریل ـــ ہندوستان سے روانہ ہو گئے ٹکٹ سوئز تک لئے گئے ہیں لیکن میں وہاں اترنا نہیں چاہتا تھا اسلئے کہ گورنمنٹ کو میری گرفتاری سے فتح نصیب ہو جائیگی اور میں اپنے معتدل رویہ سے اسکے خلاف ضرب کاری لگانا چاہتا ہوں۔ گورنمنٹ ہاؤس سے رخصت ہونے سے پہلے کہ اتنے میں پروفیسر مونیر ولیمز (آ پہنچے۔ انھوں نے مجھے اکسفورڈ آنے اور مسلمانوں کی تعلیم پر لکچر دینے کے لئے مدعو کر دیا ہو۔ ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت مجھے یہ دیکھکر اطمینان ہوتا ہو کہ میں نے کچھ نہ کچھ کام تو بالضرور کر ہی لیا ہو اور یہ کہ وہ کام پورا ابھی ہو چکا ہو" (باقی)

ض - ا - ب

انتخاب نایاب

لکھنؤ کے چند نادر تحفے

برقی قوام تمباکو! فی تولہ ۱۲/

برقی قوام کی گولیاں!! سنہری - فی تولہ ۱۲/ روپہلی فی تولہ ۱۲/

زردہ تمباکو اکسٹرا اسپیشل فی سیر ۵۰

زردہ تمباکو، مشکی، فی سیر ۳۲ زعفرانی فی سیر ۱۶

عطر اسٹار آف انڈیا ۱۰ ، ۲۰ ، ۳۰ ، ۴۰ فی تولہ

عطر گلستان ارم ۱۶ ، ۲۰ ، ۲۵ ، ۳۰ فی تولہ

پری بانو ہیر آئیل ۴/ فی شیشی چار اونس

دیگر اشیا وغیرہ اور قیمتوں کی پوری تفصیل کے لئے ہمارے کارخانے فہرست طلب فرما کر ملاحظہ کیجئے

شیخ خورشید علی تاجر عطر و تمباکو نظیر آباد لکھنؤ

اُمید

ثاقب کان پوری

اے اُمید قلب مضطر، اے نوید جانفزا ۔۔۔ غم کی راتوں میں سناتی ہے تو لحن دلنواز
تو مٹا دیتی ہے اگر یاس کا رنگ حجود ۔۔۔ تو گھٹا دیتی ہے بیتابی کی شہ بلے دراز

تیری ہر ہر سانس سے پیدا ہے سامانِ نشاط ۔۔۔ تیرے نغموں نے دیا ثاقب کو پیغام عمل
تیرے سچیاں ہیں جو کی اک زندگی ۔۔۔ تیرے ساز نطق میں پنہاں ہے الہام عمل

تو ہے بیوہ کے لئے سرمایۂ صبر و سکوں ۔۔۔ تو سُلا دیتی ہے اسکو بیکسی کی رات میں
تو دل مایوس کو دیتی ہے اک تازہ حیات ۔۔۔ کونسا جلوہ ہے اے اُمید تیری ذات میں

وہ مسافر منزل غربت میں جو درماندہ ہیں ۔۔۔ یاس نے جنکے دلوں کو کر دیا ہے پاش پاش
بس یہی اُمید ہے تنہا جو ہے ان کی رفیق ۔۔۔ کہہ رہی ہے تم بڑھا ہو حوصلوں کو اپنے کاش

تو کبھی بجاتی ہے بیمار غم کی زندگی ۔۔۔ کھینچ دیتی ہے نظر کے سامنے تصویر عیش
تو شکستہ دل کو دیتی ہے پیام خوشگوار ۔۔۔ تو بنا دیتی ہے مفلس کو کبھی تیر عیش

حریم روح

امین حزیں

۱

قریب آرزو نہیں! ۔۔۔ طلسم رنگ و بو نہیں!
نگاہ سو بسو نہیں! ۔۔۔ تلاش و جستجو نہیں!
بشر کی گفتگو نہیں! ۔۔۔ خیال ما و تو نہیں!
حریف ناؤ نوش ہوں ۔۔۔ خموش سا خموش ہوں!!

۲

خودی نہیں گماں نہیں! ۔۔۔ چنین نہیں چناں نہیں!
زمین و آسماں نہیں! ۔۔۔ نمود این و آں نہیں!
زماں نہیں مکاں نہیں! ۔۔۔ حجاب درمیاں نہیں!
حضور ہی حضور ہے! ۔۔۔ سرور سا سرور ہے!!

۳

فروغ حسن بر ملا! ۔۔۔ تجلیات کی صلا!
ادھر ضیا اُدھر ضیا! ۔۔۔ عجیب ہے یہ ماجرا!
بیاں میں کروں تو کیا! ۔۔۔ حریم روح کی فضا!
جمال ہی جمال ہے! ۔۔۔ کمال سا کمال ہے!!

اندلسیات

اخبار الاندلس ۔ تین ضخیم جلدوں میں جلد اول میں مسلمانوں کی فتح و عروج، دوسری جلد میں زوال و انحطاط اور تیسری جلد میں انکی علمی و ادبی ترقیوں کی نہایت دلچسپ و بسیط تاریخ ضبط کیگئی ہے قیمت علی الترتیب دس روپیہ ۔ آٹھ روپیہ ۔ سات روپیہ مکمل سٹ بیس روپیہ علاوہ محصول ڈاک ۔ مولدین ۔ ان مسلمانوں کی دردناک تاریخ جو اسپین میں زوال سلطنت اسلامی کے بعد باقی رہ گئے تھے قیمت مع محصول تین روپیہ ۔ خلافت موحدین ۔ یعنی علامہ عبد الواحد المراکشی کی مشہور و نادر تصنیف المعجب فی تلخیص اخبار المغرب کا مکمل ترجمہ صقلیہ (سسلی) کی حکومت اسلام پر اردو میں پہلی کتاب قیمت للعہ علاوہ محصول :۔ منیجر نگار لکھنؤ

ہر قسم کے عطر ملنے کی جگہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

حیات

اصغر حسین خاں نظیرؔ لودھیانہ

راحت کی جستجو ہے جہانِ خراب میں حق تو یہ ہے کہ صاحب دولت ہیں خواب میں

....

ہے رشک میرے حال پہ اہلِ بہشت کو ڈالا ہے تیرے غم نے مجھے کس عذاب میں
گردوں کو آفتاب پہ ناحق غرور ہے اس آفتابِ حسن کو دیکھو عتاب میں

....

اک دن تو دیکھ چشمِ حقیقت نگر سے تو آنسو بھی کم نہیں دُرِ یکتا سے آب میں
اس دل کی کچھ خبر ہی نہیں لطفِ زیست کی پایا نہ جس نے سوزِ محبت شباب میں
منبر پہ جانِ زہد ہے خلوت میں شمعِ کفر کچھ پوچھئے نہ حضرتِ واعظ کے باب میں
پیتے تھے اُنکے ساتھ تو بیشک حرام تھی اب تو وہ کیفیت ہی نہیں ہے شراب میں

دریائے عشق پردہ سکوں نے فسوں کیا
اب موج بھی نظیرؔ نہیں پیچ و تاب میں

رازِ ہستی

محمود اسرائیلی

نسیم صبح کی نکہت فشانیاں دیکھیں تو آہ بھر کے کہا غنچۂ گلستاں نے
کیا تھا جمع جو سرمایۂ شمیم اب تک ہزار حیف نہ کی قدر اسکی داماں نے
لٹا دیا اُسے گلشن میں جان کر بے سود چھپا لیا اُسے آغوش میں بیاباں نے

زمینِ دشت کے کانٹے مرے نصیب میں تھے جو اب بھی دامنِ صد چاک میں نمایاں ہیں
یہی سبب ہے کہ گلزار ہو گئے تاراج اور آج رشکِ گلستاں بہت بیاباں ہیں

بکھر گیا ہے جو شیرازۂ حیات اپنا
فنا کے خوف سے اوراق سب پریشاں ہیں

رات ۔ گنگا کے کنارے

حامد اللہ افسر

۱

رات آئی ہے کس شان سے گنگا کے کنارے بکھرے ہوئے ہر چار طرف نور کے پارے
اوپر بھی ہیں تارے
نیچے بھی ہیں تارے
گنگا کے کنارے

۲

ہنستا ہوا اک چاند فلک پر ہے نمایاں اک دل میں ہے گنگا کے اسی چاند سے کیف درخشاں
دونوں میں برابر
ہوتے ہیں اشارے
گنگا کے کنارے

۳

آواز سکوں ریز کا لہروں پہ مچلنا موسیقی کا رہ رہ کے خوشی سے نکلنا
ہیں نغمے ہی نغمے
میدان میں سارے
گنگا کے کنارے

۴

موجوں کا یہ رقص اور یہ دلدوز تبسم ہو جاتی ہے دل جس کے نظر جنمیں کہیں گم
کر دیتے ہیں جادو
دل پر یہ نظارے
گنگا کے کنارے

تاریخ الدولتین (عربی) - از مولانا نیاز فتحپوری یعنی جرجی زیدان کی مشہور تاریخ التمدن الاسلامی کے چوتھے حصے کا ترجمہ جسمیں عہد بنی امیہ و بنی عباس پر مکمل سیاسی تبصرہ کیا گیا ہے ۔ قیمت عہ (مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ)

نفیس تیل ملنے کا پتہ اصغر علی، محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

رباعیات آسی

عبدالباری آسی

موجود ہوں اور کھو گیا ہوں گویا
بیدار ہوں اور سو گیا ہوں گویا
اتنا ہے غبارِ رنج دل میں آسی
زندہ تہِ خاک ہو گیا ہوں گویا

کتنی یہ عمرِ بے بقا نکلی ہے
کیا اسکو سمجھ رہا تھا کیا نکلی ہے
آئینہ کو دیکھکر یہ سمجھا ہوں میں
ہستی میری عدم میں جا نکلی ہے

اسدل میں کبھی خوشی کا عنواں دیکھا
اسدل میں کبھی غموں کا ساماں دیکھا
القصہ اسی میں عمر گزری آسی
اک بحر میں سو طرح کا طوفاں دیکھا

وصلت کا کوئی اثر نہ دیکھا میں نے
دیدار کا کچھ ثمر نہ دیکھا میں نے
میں آئینۂ جمالِ دلبر نکلا تو
اس نے دیکھا مگر نہ دیکھا میں نے

ہمت جو ذرا قدم اٹھالے تو چلیں
یہ دردِ یہ اضطراب جا تو چلیں
ہستی ہے فقط غبارِ راہِ جاناں
دم بھر یہ غبار بیٹھ جائے تو چلیں

ارمغان ...
یعنی
... کلام ...
... قیمت صرف ...
منیجر نگار ... لکھنؤ

غزلیات

فرخ بنارسی

جذبۂ شوق کر رہی ہیں اُٹھیں جو نظریں سوئے دوست
کسقدر نظارہ پرور ہے جمالِ روئے دوست
بے نیازی ہوگئی خود مائلِ عرضِ نیاز
میری آشفتہ مزاجی نے بدل دی خوئے دوست
اسکی مرگِ نامرادی پر فدا ہو زندگی
جسکے ماتم میں پریشاں ہوگئے گیسوئے دوست
کسکو یہ اُمید تھی قربان ایسی موت کے
وقتِ آخر میرا سر اور تکیۂ زانوئے دوست
ہوش اپنا ہی نہیں پھر دوسرا کیسا خیال
بے نیازِ ماسوا ہیں محوِ حسنِ روئے دوست
کعبۂ نو کی بنا ڈالی جبینِ شوق نے
کر دیا آباد سجدوں سے حریمِ کوئے دوست

روح پرور ہے بہارِ جلوۂ رنگِ چمن تو
فرخ ایک اک پھول سے آتی ہے مجھکو بوئے دوست

آزاد انصاری

جہانتک ہو مذاقِ آرزوئے یار پیدا کر
جہانتک ہو خیالِ سوئے اعتبار پیدا کر
یہ مانا الفتِ دلدار کے جذبات سب ہیں حق
مگر پہلو میں دل تو قابلِ دلدار پیدا کر
نگاہِ لطف کیجانب ہے تیری اسکی فکر لاحاصل
مگر حالت نگاہِ لطف کی حقدار پیدا کر
زباں تک شکوۂ محرومیِ دیدار آنا تھا
خطاب آیا کہ جا اور طاقتِ دیدار پیدا کر
نہ کچھ دنیا ہے بیجا اچھا نہ کچھ عقبیٰ کا خبط اچھا
نہ وہ آزار پیدا کر نہ یہ آزار پیدا کر
اگر دنیا میں خود کو زندہ ثابت کر دکھانا ہے
تو اٹھ اور زیست کے کامل ترین آثار پیدا کر
مثالِ جسمِ بیجاں زندگی کاٹی تو کیا کاٹی
ثبوتِ زندگی ناقابلِ انکار پیدا کر

تجھے آزادیوں دریش کامل کون ملنے گا
جہاں تک ہو جریب و جبۂ و دستار پیدا کر

اگر آپ کو دیرپا خوشبو درکار ہے تو مسٹر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

باسط بھوپالی

کب بھولتا ہوں حسن کے کیف اثر کو میں
رگ رگ میں پا رہا ہوں شرر نظر کو میں

اب کیا خطاب دوں تری کافر نظر کو میں
دل میں لیے ہوں فطرت دیوانہ گر کو میں

حرماں برقیبوں پہ مدارات عشق ہے
پھر کیسے کیا کرونگا مذاق نظر کو میں

شاید وہ دیکھ لیں تجسس نگاہ سے
دلکش بنائے جاؤں متاع نظر کو میں

رسوائی خیال کی تکمیل ہو گئی
لو کھو گیا جہاں سے اب عمر بھر کو میں

دیوانۂ شباب ہوں آوارۂ خیال
کیا کیا ترس رہا ہوں گناہ نظر کو میں

مہدی اجنالوی

آغاز میں چرچے تھے انجام بھی اب دیکھو
خاموشیِ میخانہ بیہوشیِ دیوانہ

دریوزہ گری کب تک اے ننگ امانت اٹھ
تو جوش میں آ دم بھر اے ہمت مردانہ

جب تہ میں حقیقت کی دیکھا تو ہمیں زاہد
کعبہ بھی نظر آیا اُجڑا ہوا بتخانہ

بہار شاعری

محمد مظہر جلیل شوق

خط و خالِ حسن ہیں نقش و نگارِ شاعری
لذت سوزِ جگر صبح بہار شاعری

اشتیاقِ بے نہایت جلوۂ دیدار کا
دیدۂ محوِ تماشہ مایہ دار شاعری

جان و دل نذر چمن۔ وقفِ فضا ہوش و خرد
بے خودی بے اختیاری اختیارِ شاعری

جذبۂ عاشق سے اور شاعر سے رسم اتحاد
محفل عشاق میں ہے اقتدار شاعری

شیوۂ سامانیِ عشق و آئینہ داریِ حسن
ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں کاروبارِ شاعری

منظرِ فطرت پہ مرمٹنا ہے شاعر کا خصوص
حیرت چشم تماشہ افتخارِ شاعری

گلشن شاعر بہارستان حسن پردہ پوش
منظرِ خوبین جہاں کا۔ لالہ زار شاعری

جذبۂ دل کو بدل دینا جنونِ عشق میں
حسن کو خود بین بنا دینا ہے کار شاعری

شعر کا مفہوم ہے نیرنگیِ حسنِ ازل
نو دمیدہ سبزۂ نو بہارِ شاعری

ہے سکوں افزائے دل بوئے گل شاعر کبھی
گہ جنوں انگیزِ الفت ہے بہار شاعری

شوقِ شاعر ہے کشِ خم خانۂ جذبات ہے
بیدلیہائے تمنا ہے خمارِ شاعری

صبوحی

اثر صہبائی

گلزار کا پھول پھول پیمانۂ حسن
اشجار کی شاخ شاخ دیوانۂ حسن
دوشیزۂ صبح ہے صبوحی بردوش
ہنگام سحر چمن ہے میخانۂ حسن

کیا روح فروز ہے ضیا باریِ حسن
طاری ہو مرے دل پہ جنوں کاریِ حسن
ہے بارگاہ حسن اگر سجدہ طلب
ہو مقصد زیست بھی پرستاریِ حسن

ہے زیر نقاب شادمانی آئی
کس رنگ میں مرگِ ناگہانی آئی
تاریکی و نور میں نہ کچھ فرق رہا
آندھی کی طرح اثر جوانی آئی

تاریک ہیں زندگی کی راہیں ساقی!
ظلمات فزا ہیں میری آہیں ساقی!
ہو جلوۂ آفتاب پیمانۂ مے
ہوں نور سے لبریز نگاہیں ساقی!

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ میں نفیس عطر طیار ہوتے ہیں

استفسارات

کیا حضرت عمرؓ واقعی شراب کے عادی تھے

(جناب محمد علی خاں صاحب بہار)

چند روز ہوئے میں نے اتفاق سے لکھنؤ کے ایک شیعی رسالہ میں دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے ہمیشہ شراب صلّب پی، حالانکہ اس رسالہ کی تحقیق کے مطابق جو اس نے ہمارے ہاں کی کتابوں سے پیش کی ہے، شراب صُلّب حرام ہے۔

براہ کرم اس باب میں اپنی تحقیق سے آگاہ فرمائیے اور مطلع کیجئے کہ شراب صلّب کیا چیز ہے اور یہ کس قسم کی شراب تھی جسے حضرت عمرؓ نے ترک نہیں کیا۔

(نگار) میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کا استفسار باوجودیکہ خاص اہمیت رکھتا تھا، نظر انداز ہو گیا اور غیر معمولی تعویق کے بعد اس طرف توجہ کرنے کی فرصت ملی۔

آپ نے جس رسالہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ میری نگاہ سے گزر چکا ہے اور آپ کی طرح میرے بعض احباب بھی اسکو دیکھ کر متحیر ہو چکے ہیں، لیکن حقیقت اس سے زاید نہیں ہے کہ جو کچھ اس مضمون میں لکھا گیا ہے، وہ یکسر مناظرانہ مغالطہ ہے اور فاضل مقالہ نگار نے بہت زیادہ عصبیت سے کام لیا ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت "یسالونک عن الخمر والمیسر الخ" نازل ہونے سے قبل عام طور پر لوگ شراب کے عادی تھے اور اس آیت کے نازل ہونے پر بھی سب نے اسے ترک نہیں کیا تھا لیکن جب ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی صحابی نے (اور بعض کے نزدیک خود حضرت علیؓ نے) نماز مغرب بہ حالت سکر پڑھائی اور قرأت میں غلطی ہو گئی تو آیت "لا تقربو الصلوٰۃ و انتم سکاری" نازل ہوئی جس پر تمام مسلمانوں نے اوقات نماز میں شراب کا استعمال ترک کر دیا لیکن علاوہ اوقات نماز کے شراب کا استعمال اب بھی جاری رہا، آخر کار حضرت عمرؓ نے جب یہ دعا کی کہ "بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا" (یعنی اے خدا شراب کے بارہ میں صاف صاف حکم نازل کر) تو آیہ "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان" نازل ہوئی۔

میں یہ نہیں کہ سکتا کہ اس آیت کے نازل ہونے پر تمام لوگوں نے شراب ترک کر دی تھی یا اس کے بعد پھر کبھی کسی نے شراب پی ہی نہیں کیونکہ یزید بن معاویہ" (جو یزید الخمور کے نام سے مشہور تھا) ابو الولید بن عقبہ بن ابی معیط، عباس بن عبد اللہ بن عباس

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگائیے

(اخطل کے ہمنشین) بلال بن ابی بردہ ابو محجن الثقفی[۱] ابراہیم بن ہرمہ عبد اللہ بن عروہ بن الزبیر، عبد العزیز بن مروان، عاصم بن عمر وغیرہ امرار و شرفاء عرب کے واقعات مے نوشی تاریخوں سے ظاہر ہیں، لیکن یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت عمر کے عہد میں کوئی ایسا شرابی نہیں بچ سکا جس کی بادہ خواری کا علم آپ کو ہو گیا ہو۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمر پر علانیہ حد جاری کرنا۔ قدامہ بن مظعون کو سزا دینا عہد فاروقی ہی کے روشن واقعات ہیں جن سے کم از کم یہ امر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف تارک خمر تھے بلکہ اس کے انسداد میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے، چہ جائیکہ خود اس کا استعمال کرنا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے شراب صلب ہمیشہ پی اور شراب صلب حرام ہے یا نہیں اس کے متعلق جب ہم اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے اس شیعی رسالہ نے جناب فاروق کا عادی مے خوار ہونا ظاہر کیا ہے، تو ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر اُسنے ایسی جسارت سے کام لیا۔

اس مضمون کا ماخذ عقد الفرید ہے یا عقد الفرید کے حوالہ سے ابن قتیبہ لیکن فاضل مقالہ نگار نے دیانت سے کام لیکر نہ عقد الفرید کی پوری بحث پیش کی اور نہ ابن قتیبہ کی پوری عبارت نقل کی، کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو اصل مقصود فوت ہو جاتا اور حضرت عمر پر بادہ خواری کا الزام اسقدر صفائی سے عاید نہ ہو سکتا۔

صاحب عقد الفرید نے ایک مستقل باب نبید کی حلت و حرمت پر قائم کیا ہے اور اسمیں موافق و مخالف رائیں ظاہر کی ہیں لیکن اسکی ساری بحث پڑھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص اس نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتا کہ حضرت عمر بادہ خوار تھے

صاحب عقد الفرید نے لکھا ہے کہ "وکان عمر یشرب علی طعامہ الصلب و یقول یقطع ہذا اللحم فی بطوننا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کھانے کے وقت صلب کا استعمال کرتے تھے۔ اب ایک صورت تو جواب کی یہ ہے کہ ہم شراب صلب کے استعمال کو جائز قرار دیں، اور اس کے ثبوت میں۔ خود رسول اللہ کا شراب صلب پینا ثابت کر دیں جیسا کہ خود صاحب عقد الفرید نے ابن مسعود کی مشہور و کثیر روایات کی بنا پر لکھا ہے کہ "رسول اللہ نبیذ تمر کی شراب صلب پیتے تھے اور حجۃ الوداع کے وقت بھی آپ نے اسے استعمال کیا"

فریق مخالف اس پر یہ حجت نہیں لا سکتا کہ ابن مسعود کی روایات صحیح نہیں ہیں کیونکہ جب اُس نے عقد الفرید کے بیان کو حضرت عمر کے صلب نوشی کے بیان میں استدلالاً پیش کیا ہے تو اسی عقد الفرید کے اس بیان کو بھی صحیح سمجھنا چاہیے، لیکن ہم اس طریق کے

[۱] یہ شراب کے بڑے دلدادہ تھے۔ انھیں کا شعر ہے:- اذا مت فادفنی الی ظل کرمۃ + تروی عظامی بعد موتی عروقہا + (جب میں مرجاؤں تو مجھے تاک کے سایہ میں دفن کرنا تاکہ اس کی جڑیں میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں)

جاسوسی کے ناول:- نیلی چھتری ۔عہ بہرام کی گرفتاری عہ چوروں کا کلب ۹ بہرام کی رہائی ۱۲ فطرتی جاسوس ۱۲ (منیجر نگار لکھنؤ)

ہر قسم کے عطریات ملنے کی جگہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

جواب کو پسند نہیں کرتے، بلکہ اس سے علحدہ ہوکر دیکھنا چاہتے ہیں کہ شراب صلب واقعی حرام تھی یا نہیں اور وہ اسے حرام ہونا چاہئیے تھا یا نہیں:
شراب صُلب کسے کہتے ہیں، اسکے متعلق ابن قتیبہ کہتا ہے "ہو نبیذ التمر اذا صلب" یعنی وہ کھجور کی نبیذ ہے جب گاڑھی ہو جائے
اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ شراب صلب حقیقتاً نبیذ ہی کی ایک قسم ہے اور نبیذ ہی کی حلت و حرمت کے احکام اس سے بھی متعلق ہونے
چاہئیے اس لئے اب بحث صرف یہ رہجاتی ہے کہ نبیذ حلال ہے یا حرام
ہم یہ ابھی بیان کرچکے ہیں کہ اُس شیعی رسالہ کا ماخذ صرف عقد الفرید یا اس کے حوالہ سے ابن قتیبہ ہے اس لئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اسی کو ماخذ قرار دیکر غور کریں کہ آیا نبیذ کا استعمال کرنے والا واقعی شراب خوار کہلائے جانے کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں
صاحب عقد الفرید نے لکھا ہے کہ "تحریم النبیذ مختلف فیہ بین الاکابر من اصحاب النبی والتابعین" یعنی نبیذ کی حرمت کے باب میں صحابہ
وتابعین کا اختلاف ہے۔ اسکے بعد اُسنے حفص بن غیاث کی روایت سے۔ اعمش کا وہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جسوقت حدیث کے طلبہ اسکے
پاس آئے تو نبیذ سامنے رکھی ہوئی تھی۔ حفص نے اس کو چھپانا چاہا لیکن اعمش نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کیونکہ "لو کان النبیذ
ہو الخمر اللتی حرمہا اللہ تعالی فی کتابہ ما اختلف فی تحریمہ اثنان من الامۃ" اگر نبیذ شراب ہوتی تو اس کی حرمت میں کسی کو بھی اختلاف نہ ہوتا
ابن قتیبہ نے شراب کی حلت و حرمت پر تنقید کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ "قول فیصل میرے نزدیک یہی ہے کہ خمر کو کتاب خدا نے حرام
کیا ہے اور نبیذ کو سنت رسولؐ نے" لیکن اس کے آگے خود ہی وہ اس بات کا قایل ہے کہ "شراب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یعنی انگور کی شراب
بغیر جوش دی ہوئی بالاتفاق حرام ہے جس کی نہ کم مقدار حلال ہے نہ کثیر، لیکن دوسری قسم جس میں کشمش اور کھجور کی شراب (شراب
صُلب) شامل ہے مختلف فیہ ہے"۔
یعنی ابن قتیبہ ایک جگہ تو نبیذ کو سنت نبوی کی رو سے حرام ہونا بیان کرتا ہے اور دوسری جگہ اس کی حرمت کو مختلف فیہ قرار
دیتا ہے۔ صاحب عقد الفرید نے بھی ابن قتیبہ کے اس اختلاف بیانی پر رائے زنی کرتے ہوئے اس کے قول فیصل سے اختلاف کیا ہے۔
بہرحال ابن قتیبہ نبیذ کے متعلق جو رائے بھی رکھتا ہو یہ امر یقینی ہے کہ حرمت نبیذ کے بارہ میں سخت اختلاف بیان کیا جاتا ہے اور عقد الفرید
میں بھی اس اختلاف کا ذکر موجود ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف نزاع لفظی سے زیادہ نہیں ہے اور نبیذ متفقہ طور پر حلال ہے
قبل اس کے کہ ہم اپنے اس دعوے کو ثابت کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حرمت خمر کی علت پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیں
صاحب عقد الفرید کا خیال ہے کہ خمر کو رجس لفظی اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ معنی کے لحاظ سے کیونکہ حقیقتاً وہ نجس نہیں ہے اور اسکو
رجس کہنا اسی قبیل سے ہے جیسے اور معاصی کو خبائث سے تعبیر کیا ہے اگر شراب واقعی نجس العین ہوتی یا محض سکر باعث حرمت
ہوتا تو اللہ اپنے احسانات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "ومن النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا" کبھی نہ ارشاد فرماتا
اور نہ اسے "لذۃ للشاربین" کے نام سے یاد کرتا۔

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہئیے

پس اللہ تعالےٰ کا اُسے رجس کہنا اسی اعتبار سے ہے جیسے اُس نے کفر کو رجس کہا ہے اور چونکہ اللہ نے ہر حرام چیز کے عوض اس کے مثل یا اس سے بہتر کوئی اور چیز حلال کر دی ہے جیسے زنا کے عوض نکاح، ربوا کے عوض بیع، اسی طرح خمر کے بجائے نبیذ حلال کر دی گئی ہے۔ اگر حرمت خمر کی علت واقعی سُکر نہیں ہے جیسا کہ عقد الفرید میں ظاہر کیا گیا ہے بلکہ وہ صرف "تعبداً" حرام کی گئی ہے تو پھر نبیذ کی حرمت کا سوال ہی سامنے نہیں آتا خواہ خم کے خم چڑھا لئے جائیں، لیکن کم از کم میں صاحب عقد الفرید کے اس بیان سے متفق نہیں ہوں اور حرمت خمر کا حقیقی سبب اس کے سُکر ہی کو قرار دیتا ہوں، جیسا کہ اور بہت سے علماء کا خیال ہے۔

پھر اگر حرمت خمر کی علت سکر قرار پائے (اور یہی ہونا چاہئے) تو نبیذ کے مسئلہ میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہجاتی، کیونکہ اگر نبیذ اس حد تک استعمال کی جائے کہ اس میں سکر نہ پیدا ہو تو حرمت کا کوئی سبب پیدا نہیں ہوتا اور اگر وہ سکر و مخموری کی حد تک پی لی جائے تو یقیناً حرام ہے۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے معمولی کھانا کہ وہ متفقہ طور پر حلال ہے لیکن اگر وہ اس حد تک کھالیا جائے کہ تخمہ پیدا کر دے حرام ہے۔ پس اگر ایک شخص نے دو پیالے نبیذ کے استعمال کئے اور اسپر سکر کی کیفیت طاری نہیں ہوئی تو اس حد تک اُس نے کوئی ناجائز فعل نہیں کیا، لیکن اگر تیسرے پیالے سے اس کو سکر پیدا ہو گیا تو یہ تیسرا پیالہ حرام ہوگا۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت عمر شراب صلب استعمال کیا کرتے تھے (اور حضرت عمر کیا بلکہ خود رسول اللہ نے اسے استعمال کیا) لیکن جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ آپ پر سکر کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، کسی طرح مورد الزام نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر مطلقاً نبیذ کو حلال خیال کرتے تھے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، تو ہم اسکے ماننے کے لئے طیار نہیں کیونکہ بروایت شعبی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی اعرابی نے حضرت عمر کے مشکیزہ سے نکال کر اسقدر نبیذ پی کہ وہ بیہوش ہو گیا، آپ نے فوراً اسپر حد جاری کر دی۔ اس واقعہ سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ حضرت عمر نبیذ کے باب میں اس رمز سے واقف تھے کہ کس حد تک اس کا استعمال جائز ہو سکتا ہے۔ اور اس میں حرمت کب اور کیوں پیدا ہوتی ہے

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ طواف ختم کرنے کے بعد اونٹ سے اترے اور ایک بڑا پیالہ نبیذ کا آپ کے سامنے لایا گیا، آپ نے اسے چکھا اور پھر کئی مرتبہ پانی ملانے کے بعد اسے پیا اس سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اگر نبیذ کی نوعیت اس قسم کی ہو کہ اس کے استعمال سے سکر پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یقیناً حرام ہے ورنہ نہیں۔

اب یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر علت حرمت صرف سکر ہے تو پھر خمر بھی اس مقدار تک کہ اس سے سکر پیدا نہ ہو جائز ہونی چاہئے لیکن اس کا جواب ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ خمر نص قطعی سے حرام ہو چکی ہے اور اس لئے اس کا قلیل و کثیر حصہ سب حرام ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ خمر میں چونکہ الکحل بہت ہوتا ہے اسلئے اسکی قلیل مقدار بھی بعض طبایع میں ہلکا سا سکر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے بہترین عرقیات خرید کیجئے

پیدا کر سکتی ہے اور پھر چونکہ عوام اس میں کوئی امتیاز پیدا نہ کر سکتے تھے اس لئے اصلاح کو پیش نظر رکھ کر اس کا قلیل و کثیر سب حرام کر دیا گیا تاکہ پھر کوئی سوال ہی اس قسم کا پیدا نہ ہو۔

نبیذ میں چونکہ سکر اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک بہت کثرت سے اُسے استعمال نہ کیا جائے، اس لئے اس میں امتیاز آسان تھا اور اسے جائز قرار دیدیا۔

تصانیف شاہ عزیز اللہ صفی پوری

حضرت شاہ عزیز اللہ صاحب عزیز صفی پوری (جن کا دوسرا نام ولایت علی ولایت بھی ہے) کی متعدد تصانیف ریویو کے لئے موصول ہوئی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اسوقت تک ان پر کوئی تبصرہ نہیں ہو سکا۔ میں اب بھی اس کے لئے آمادہ نہ تھا لیکن بعض احباب کے اصرار نے مجبور کر دیا کہ فی الحال اختصار ہی سے کام لیکر ان کا ذکر کر دوں۔

جناب عزیز اللہ شاہ صاحب، صفی پور کے نہایت برگزیدہ و معزز خاندان سے متعلق ہیں اور اس وقت فارسی دانی میں دور دور اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ فارسی نظم و نثر دونوں پر آپ کو اس قدر قدرت حاصل ہے کہ زمانۂ موجودہ میں کوئی دوسرا شخص اس تبحر اور فضل و کمال کا پیش نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کی فارسی نظم و نثر کی داد غالب نے دی، آپ کے ذوق کو حالی نے پسند کیا، شبلی نے سراہا، اور امیر مینائی، مولوی عبد الحق خیر آبادی اور محسن کاکوروی نے ان کو اپنے عصر کا بہترین فارسی داں تسلیم کیا۔ آپ ایک درویش وضع و درویش خصائل انسان ہیں اور وطن میں گوشہ نشینی کی زاہد و مرتاض زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کی تصانیف پر ریویو کرنے کے لئے بڑی فرصت درکار ہے اس لئے اس جگہ مختصراً ان کی تصانیف کی فہرست دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مرآۃ الصنایع، اعجاز التواریخ، نور ہاں، ارمغاں، پیشکش شاہجہانی، دیوان ولایت، دیوان عزیز، نور تجلی، ذکر جمیل، خبر خیبر، اعجاز محمدی، ماہ شب افروز، حسرت دل، رمز الشہادتین، جلوۂ حسن، شعلۂ محبت خبریہ عشق فتح مبیں، مصدر الابرار، پنجرقہ، مخزن الولایت، بیان التواریخ۔ فارسی نظم و نثر کی کتابیں ہیں۔ اردو نظم و نثر میں طور تجلی، نور ولایت۔ نظم دلفریب، ذکر الحبیب۔ عین الولایت، تذکرۂ اولیار، اشعار الاشعار، قواعد المصادر، عقاید العزیز، اور تاریخ اسلاف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دنیا بھر میں کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ مشہور ہے

معلومات

حیوانات میں نظام لاسلکی

جب کسی جانور سے کوئی حیرت انگیز حرکت سرزد ہوتی ہے تو اس کی تاویل ہم عموماً دو طرح سے کرتے ہیں (۱) حیوانوں کے خواص ہم سے زیادہ سریع اور ذکی ہوتے ہیں - (۲) ان کو قدرت کی طرف سے ایک ملکہ عطا ہوا ہے جس سے انسان محروم رکھے گئے ہیں - لیکن یہ تاویلیں زیر بحث مسائل کی کماحقہ توجیہ نہیں کر پاتیں - مثال کے طور پر ان پرندوں کو لیجئے جو کبھی ایک ملک میں اور کبھی دوسرے ملک میں رہتے ہیں - کون سا ملکہ ہے جو افریقہ سے یورپ یا چین سے اسٹریلیا تک ان چڑیوں کی رہنمائی کرتا ہے کون سی قوت ہے جو نامہ بر کبوتر کو اسکی منزل مقصود کا پتہ دیتی ہے - الو اور چمگادر تاریکی میں اپنی غذا کیسے تلاش کر لیتے ہیں - تیتری میلوں کے فاصلہ سے اپنے رفیق کا پتہ کیسے لگا لیتی ہے - ہم ان سوالات کا جواب نہیں دیسکتے - لیکن فرانسیسی سائنس داں ڈاکٹر جرجیس لاخوسکی نے اس موضوع پر ایک بیش بہا کتاب لکھی ہے جسمیں اس نے ایک اجتہادی نظریہ پیش کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ تمام حیوانات اپنے جسم سے ایتھر کی چھوٹی چھوٹی لہریں خارج کرتے رہتے ہیں اور اکثر حیوانوں میں ان لہروں کو قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے - وہ ان برقی لہروں سے دور کے جانوروں اور حشرات الارض کا حال دریافت کر لیتے ہیں -

یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ ڈاکٹر موصوف نے اپنے نظریہ کو پوری طرح ثابت کر دیا ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ غور و فکر کیلئے انھوں نے ایک نیا مبحث نکالدیا ہے ہم جانتے ہیں کہ نور حرارت اور برق کی لہریں اصل میں یکساں ہوتی ہیں - یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ تمام حیوانات اپنے جسم سے حرارت کی لہریں خارج کرتے رہتے ہیں - جگنو کے جسم سے نور کی لہریں بھی نکلتی رہتی ہیں - بعض مچھلیاں ہیں جو اپنے جسم سے برقی کی لہریں خارج کرتی ہیں - لہذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعض جانوروں کے جسم سے برقی لہریں بھی نکلتی ہیں نور اور حرارت کی لہریں ہوا میں جذب ہو جاتی ہیں اور ان کی حرکت محدود ہو جاتی ہے - لیکن برقی لہریں جیسا کہ نظام لاسلکی سے ثابت ہوتا ہے فضا میں حیرتناک سرعت کے ساتھ دوڑتی ہیں - اب اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بعض جانور ان لہروں کو خارج کرتے ہیں - اور بعض ان کو قبول کرتے ہیں تو اس راز پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے - ڈاکٹر لاخوسکی نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو اسکے نظریہ کی تائید کرتا ہے اس نے اسپین میں بلنسیہ کے ایک لاسلکی اسٹیشن پر نامہ بر کبوتروں کو چھوڑ دیا - وہ پریشان ہو کر ادھر اودھر اڑنے لگے - ڈاکٹر موصوف نے کئی بار اسی طرح اپنے تجربہ کا اعادہ کیا اور ہر بار وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ لاسلکی کی لہریں ان لہروں کی راہ میں خلل پیدا کر رہی ہیں جو کبوتروں کو منزل مقصود کا پتہ دے سکتی تھیں - ڈاکٹر موصوف کا عقیدہ ہے کہ ہم خود

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کے عطر منگائیے

پرندے دور سے کیڑوں کا سراغ اسی طرح لگاتی ہیں۔ کیڑوں کے جسم سے لہریں نکلتی ہیں پرندے ان سے متاثر ہوکر کیڑوں کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ چونکہ بعض برقی شعاعیں سورج کی روشنی میں کمزور پڑجاتی ہیں۔ اس لئے بعض پرندے مثلاً چمگادڑ اور الو وغیرہ رات کو اپنا رزق تلاش کرتے ہیں

مردار کھانے والے جانوروں کا بھی یہی طریقہ ہے سڑی ہوئی لاشوں میں جو جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں وہ بھی برقی شعاعیں خارج کرتے ہیں اور ان جانوروں کی رہبری کرتے ہیں۔

پلیٹنم کا قائم مقام

پلیٹنم جسکو "شاہِ فلزات" کہنا چاہیے اپنی چند مفید خصوصیات کی وجہ سے نہایت کم یاب ہے کچھ عرصہ گزرا کہ برقی قمقموں میں اس کا تار استعمال کیا جاتا تھا صرف اس لئے کہ شیشہ اور پلیٹنم میں پھیلنے کی صلاحیت برابر ہے۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ لوہے اور ۴۶ فیصدی نکل پلیٹنائٹ کے مرکب میں بھی پھیلنے کی صلاحیت اسی قدر ہے اور اب پلیٹنم کی چنداں ضرورت نہیں ہے

نیا الکحل

آئندہ پچیس سال میں مرکبات کیمیاوی کی دنیا میں بھی حیرتناک ترقیاں ہونیوالی ہیں حال کے تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک جو الکحل لکڑی سے نکالا جاتا تھا اس کی جگہ آبی گیس یا کاربن مانو آکسائڈ اور ہائڈروجن سے الکحل پیدا کیا جائیگا۔ ممکن ہے یہ نیا الکحل آئندہ ایندھن کا بھی کام دے

یوکیلپٹس کا زہر

یوکیلپٹس کا تیل کم وبیش ہر گھر میں استعمال ہوتا ہے اسکو عام طور پر بے ضرر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن دراصل اسمیں خطرناک سمی خواص موجود ہیں جیسا کہ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے۔

ایک ۱۶ برس کے لڑکے کو جس نے ابھی خسرہ سے نجات پائی تھی غلطی سے ایک آونس یوکیلپٹس کا تیل دیدیا گیا۔ اس نے اسکو پی لیا فوراً منھ میں سوزش شروع ہوئی اور دو تین منٹ میں بالکل بیہوش ہوگیا۔ دس منٹ میں ڈاکٹر آیا تو معلوم ہوا کہ نبض ساقط ہو رہی ہے اور مریض خطرناک حالت میں ہے۔ ڈاکٹر نے رائی اور پانی پینے کو دیا جو نہایت دشواری سے اسکی حلق کے نیچے اتر سکا اس کے بعد لڑکے کو استفراغ ہوا۔ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ رائی کا اثر تھا یا یوکیلپٹس کا، بہرحال مریض کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آنے لگا اور نبض بھی درست ہونے لگی۔ ڈاکٹر نے مزید اطمینان کیلئے اس کے معدہ کو حقنہ کے ذریعہ سے دھو ڈالا۔ تین گھنٹوں کے بعد آنتوں کا فعل درست ہوگیا۔ لیکن مریض پہ پھر بھی ایک گھنٹہ تک قوما کی سی کیفیت طاری رہی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یوکیلپٹس میں بھی دیگر خواب آور سمیات کے خواص ہوتے ہیں اسکو بچوں سے بچا کر رکھنا چاہیے اور اس کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہیے۔

دنیا کا سب سے بڑا اسٹیج

اہل امریکہ نے حال ہی میں ایک بہت بڑی عمارت تعمیر کی ہے اور اس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو حصہ اس تعمیر کا ڈراما دکھانے کیلئے مخصوص ہے وہ دنیا میں سب سے بڑے اسٹیج کی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

حیثیت رکھتا ہے - اس اسٹیج میں علاوہ حجروں کی نشست کے نیچے کے درجہ میں ۳۰ ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور اوپر دس ہزار آدمی اس کی لمبائی ۲۰۰ مٹر چوڑائی ۱۰۰ مٹر اور بلندی ۵۲ مٹر ہے - اس عمارت کے اندر اور بڑے اسٹیج کے پہلو میں ایک اور چھوٹا اسٹیج ہے جس میں تین ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں -

اس عمارت کی تعمیر میں کوئی ایسی چیز استعمال نہیں کی گئی جو قابل احتراق ہو اس لئے وہ آگ کے خطرہ سے بھی بالکل محفوظ ہے

عزم و استقلال کی عجیب مثال

اٹلی میں ایک آدمی ہے جس کا نام مازولی ہے یہ شخص اپنے عزم و استقلال کے لحاظ سے عجیب و غریب چیز سمجھا جاتا ہے اس نے ایک کلیسہ خود اپنے ہاتھوں سے بغیر اس کے کہ کسی اور متنفس کی مدد حاصل کرے ۲۳ سال میں طیار کیا ہے اور بعض اوقات اس کو ایک ایک دن میں ۸۰۰ پتھر تنہا اٹھا کر لیجانے پڑے ہیں - اس نے ۴۵ برس کے سن سے اس گرجا کی تعمیر شروع کی اور ۶۸ سال کی عمر میں اسکو انجام تک پہونچایا

کمال کی قدر

سنما کی دنیا میں مضحک کھیل کرنے والوں میں چارلی نے جس قدر شہرت دولت حاصل کی ہے اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے ، لیکن غالباً ہرولڈ کی قسمت میں اس سے زیادہ کامیابی لکھی ہے جو باوجود متاخر ہونے کے اس وقت شاہانہ دولت کا مالک بن گیا ہے -

اس کی مضحک تمثیل بعض لحاظ سے بہت زیادہ مکمل سمجھی جاتی ہے اور ایک وقت میں متضاد جذبات کے اظہار میں اسقدر بیساختہ پن اس کی طرف ظاہر ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اس شخص کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ گنی یعنی تقریباً چالیس لاکھ روپیہ ہے -

۶۰۰ سال میں فیصلہ

۶۰۰ سال ہوئے جب فرانس کے ایک صوبہ میں کسی قطعۂ زمین کی بابت چار گانوں کے لوگوں میں نزاع پیدا ہوا - ہر گانوں اس امر کا مدعی تھا کہ یہ قطعۂ زمین اس کی ملکیت ہے اور اس کے مویشیوں کی چراگاہ رہی ہے - یہ مقدمہ حاکموں کے سامنے پیش ہوتا رہا اور حکومت کے نظام بدلتے رہے یہاں تک کہ استبدادی حکومت سے جمہوریت ہوئی - جمہوریت نے پھر شخصی حکومت کی صورت اختیار کر لی اور اس کے بعد پھر جمہوریت قائم ہوئی - یہ مقدمہ تمام اس زمانہ انقلاب میں اپنے حال پر قائم رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہوا -

اب موجودہ حکومت نے ۶۰۰ سال کے بعد زمین کا معائنہ کرانے کے بعد حکم نافذ کیا ہے کہ زمین کے چار برابر حصے کر کے تقسیم کر دے جائیں -

خطوط نویسی کے شایق

یورپ کی بین الاقوامی انجمن بریدنے اس امر کی تحقیق کی ہے کہ کس ملک و قوم کے لوگ سب سے زیادہ شایق خطوط نویسی کے ہیں ، چنانچہ اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریز سب سے زیادہ خط لکھتے ہیں یعنی

بڑھیا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدنا چاہئے

فی کس سالانہ ۸۱ خطوط کا اوسط اس کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اہل امریکہ کا درجہ ہے جن کے ہاں فی کس سالانہ اوسط ۶۹ ہوتا ہے۔ جرمنی کا اوسط ۶۷، سوئٹزرلینڈ کا ۶۰، فرانس کا ۲۷ اور پرتگال کا ۱۹ فی کس سالانہ ہے

مومی تصویریں

آکسفورڈ کے ایک تجارتی کارخانہ کا ملازم ہے جو اپنے فرصت کے اوقات صرف بڑے بڑے لوگوں کی مومی تصویریں بنانے میں صرف کرتا ہے اسوقت تک وہ ۱۵۰۰ مومی تصویریں زمانہ قدیم سے لیکر اسوقت تک کے بڑے بڑے مردوں اور عورتوں کی بنا چکا ہے

ان مومی تصویروں کے بنانے میں اس نے اسقدر کاوش سے کام لیا ہے کہ مشکل سے کوئی نقص کسی قسم کا ان میں نکالا جاسکتا ہے لباس، وضع صورت وشکل سب اصل کے مطابق ہے اور جن قدیم لوگوں کی تصویر اسے نہیں مل سکی ہیں ان کے حالات، تاریخ کی کتابوں سے معلوم کرکے اُن کی صورت اور وضع ولباس کو طیار کیا ہے۔

اتنا اچھا اور مکمل مجموعہ مومی تصویروں کا اسوقت دنیا میں کسی جگہ نہیں پایا جاتا۔

یوروپ کے جنرل مرچنٹ

لندن میں ایک تجارتی کارخانہ ہے جسکا مالک ایک شخص واٹیلی ہے اور جہاں سے تمام ضرورت کی چیزیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں جنرل مرچنٹ نام ہے۔ صرف بساطخانہ کی دوکان رکھنے والے کا، لیکن یوروپ میں اس لفظ کا وہی مفہوم ہے جو ہونا چاہیے چنانچہ مسٹر واٹیلی کو دعویٰ ہے کہ وہ ہر چیز نہایت عجلت کے ساتھ فراہم کرسکتا ہے

بعض لوگوں نے یہ جانچ کی کہ واقعی اس کا دعویٰ صحیح بھی ہے یا نہیں اور ایک ہاتھی کی فرمائش کی، چنانچہ ۲۴ گھنٹے نہ گزرے تھے کہ ایک عظیم الشان ہاتھی سامنے موجود تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ مجھے قدیم زمانہ کا ایک تابوت چاہیے، ایک گھنٹے کے اندر یہ بھی مہیا ہوگیا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے یہ عجیب وغریب فرمائش کی کہ پیالہ بھر پسّوؤں کی اسے ضرورت ہے۔ مسٹر واٹیلی نے فوراً باغ حیوانات کے مہتمم اور کٹیلے جانوروں کے تاجر مسٹر جامروک کو لکھا کہ جن بندروں کے جسم میں پسو پڑگئے ہوں ان کے بالوں میں کنگھی کرکے پسو بھیج دیے جائیں اس طرح نصف پیالہ بھر پسو مشکل سے جمع ہوے لیکن چونکہ فرمائش پورے پیالے کی تھی اسلئے مسٹر واٹیلی نے صاحب فرمائش کو پسوؤں کا پیالہ بھیجتے ہوے لکھا کہ نصف پیالہ قصداً اس لئے خالی رکھا گیا ہے کہ ضروری ہوا انھیں پہونچتی رہے اور وہ مریں نہیں۔ گویا اس طرح تاویل کرکے اس نے اس اعتراض والزام کا دروازہ بند کردیا کہ بجائے پیالہ بھر پسوؤں کے صرف نصف پیالہ کی مقدار فراہم کی گئی۔

شمع کا درخت

پناما کے کسی حصہ میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جسکے پھل موم بتی کی طرح چار چار فٹ کے لمبے ہوتے ہیں

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زرد موم کی بتیاں ہیں۔ پھر یہ مشابہت صرف صورتًا ہی میں نہیں ہے بلکہ حقیقت کے لحاظ سے بھی ان کو موم بتی کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان پھلوں میں نصف حصہ سے زیادہ چربی کا مادہ پایا جاتا ہے اور جس کو نکال کر اہل چناما تیل کی طرح جلاتے ہیں اور کبھی اسکو منجمد کر کے شمع کی طرح روشن کرتے ہیں اس کی روشنی نہایت صاف پاکیزہ اور بے ضرر ہوتی ہے

تصویر زیب النسا بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت ہند نے نہایت گراں قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیا ہے۔ نہایت نفیس چیز ہے قیمت مع محصول ۸/

منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

تصویر رقاصہ

بنگال کے مشہور مصور مسٹر مدار کے قلم کی بہترین صناعی یہ تصویر بھی رنگین آرٹ پیپر پر طبع کرائی گئی ہے اور یہ تصویر رسالہ نگار مارچ میں شایع ہو چکی ہے آپ دیکھیں گے تو بہت خوش ہونگے

قیمت فی کاپی علاوہ محصول ۴/

منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

مضامین شرر

مولانا شرر مرحوم کے مشہور رسالہ دلگداز کے تمام مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے علحدہ علحدہ مجلدات میں جمع کرائے گئے ہیں اور صفائی کے ساتھ چھاپے گئے ہیں حسب ذیل مجلدات موجود ہیں۔

مضامین شاعرانہ و عاشقانہ جلد اول ۱عہ دوم ۱عہ۔ علاوہ محصول ڈاک آغاز و اختتام سال عمر۔ ادب و تحقیق مسائل عہ اصلاح قوم و ملت عمر تاریخی واقعات پر خیال آرائی عہ تاریخی و جغرافی مضامین جلد اول ۱عہ دوم عہ مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی گزشتہ لکھنؤ ۱عہ سیر جال مشہور اکابر کے حالات ہے۔ نامور خواتین کی سوانح عمریاں جلد اول عہ دوم عمر نظم ڈراما عمر۔ ملنے کا پتہ

منیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

جاسوسی کے ناول

بہرام چور عہ نیلی چھتری عہ بہرام کی گرفتاری عمر چوروں کا کلب ۹ر بہرام کی رہائی عہ بہرام کی آزادی ۱۲ر پراسرار قتل ۶ عا بہرام کی سرگزشت عہ ترکی حرم سرا ۸ر فطرتی جاسوس عہ (منیجر نگار لکھنؤ)

زنانہ کتب خانہ

رسول عربی ۸ر امت کی مائیں ۷ر بنت الرسول ۵ر بہشتی جھومر ۱۲ر حوران جنت ۸ر عورتوں کی انشاء ۸ر شوکت آرا بیگم ۸ر اقبال دلہن عمر مراۃ العروس ۹ر بہشتی زیور ۶ عا رویائے صادقہ عمر صبح زندگی عہ شام زندگی عہ شب زندگی مکمل ۶ عا نوحہ زندگی ۱۲ر نیا باورچی خانہ ۶ر

آپ کو تمام مشہور مصنفین کی کتابیں خواہ قدیم ہوں یا جدید منیجر نگار سے طلب کیجئے

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر اشیا بکفایت ملتی ہے